UNIVERSAL LIBRARY
OU_224067
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

جلد ۴ (آذر و دے سنہ ۱۳۴۰ ف) نمبر

عبد الحق نمبر

نورس

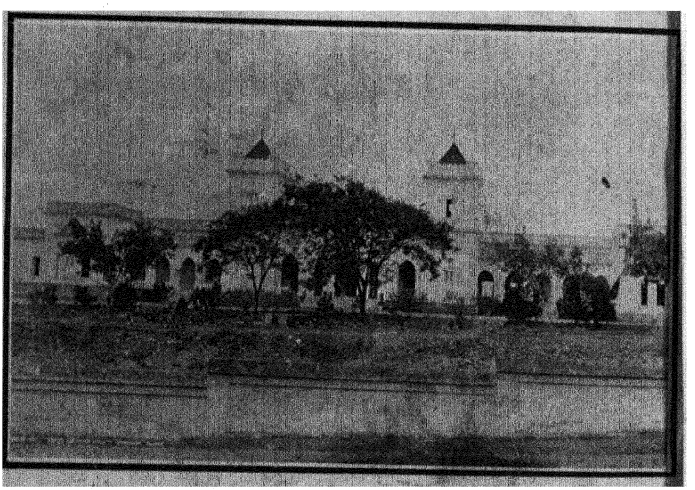

اورنگ آباد کالج کا دوماہی رسالہ

انجمن اردو کے مطبع میں چھپا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
(۱)	A message to the Aurangabad College Students.	نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر دام اقبالہ	(۱)
(۲)	پیغام	نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر دام اقبالہ	(۴)
(۳)	Lahyato-Ilu-Tayyah.	ای ای اسپیٹ پروفیسر انگلش جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	(۷)
(۴)	الحیاۃ طیبہ	ای ای اسپیٹ پروفیسر انگلش جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	(۱۵)
(۵)	رسالہ اردو	جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی	(۲۷)
(۶)	مولوی عبدالحق صاحب کی انشا پردازی کا ایک نمونہ	جناب سید ہاشمی صاحب فرید آبادی	(۵۱)
(۷)	گدڑی کا لال - نورخاں	مولوی عبدالحق صاحب	(۶۴)

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
(۸)	مولوی عبدالحق صاحب بحیثیت معتمد انجمن ترقی اردو	جناب مولوی سید غلام ربانی صاحب مددگار عثمانیہ کالج اورنگ آباد	(۸۱)
(۹)	مولوی عبدالحق صاحب اور انتظام	مولوی سید ساجد علی صاحب بی اے بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع اورنگ آباد	(۱۱۳)
(۱۰)	مولوی عبدالحق صاحب کا مقصد زندگی	مولوی شیخ چاند صاحب بی اے ال ال بی سابق طالب علم اورنگ آباد کالج	(۱۲۶)
(۱۱)	ترجیع بند	جناب مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی	(۱۵۱)
(۱۲)	بدائی	پنڈت ونشی دھر صاحب ودھیا النکار لکچرار ہندی عثمانیہ کالج اورنگ اباد	(۱۵۵)
(۱۳)	عبدالحق صاحب اور اورنگ آباد	نبی الحسن صاحب شمیم سابق طالب علم اورنگ آباد کالج	(۱۵۷)
(۱۴)	اظہار مسرت	سید فیاض الحسن صاحب المتخلص بہ " ناقص "	(۱۵۹)
(۱۵)	پیش نامہ	اساتذہ عثمانیہ کالج اورنگ آباد	(۱۶۱)
(۱۶)	سپاس نامہ انگریزی	اساتذہ و طلبہ عثمانیہ کالج اورنگ آباد	(۱۶۲)
(۱۷)	نظم	سید احمد صاحب ندوی مددگار عثمانیہ کالج اورنگ آباد	(۱۶۸)

(۱۸) سپاس نامہ الوداعی — اساتذہ و طلبہ عثمانیہ کالج (۱۷۲)
(۱۹) نظم — جناب مولوی محمد (۱۷۸)
عبدالخالق صاحب 'گرامی'
مددگار عثمانیہ کالج
اورنگ آباد
(۲۰) عبدالحق — جناب غلام طیب صاحب (۱۸۵)
بی اے بی ٹی مددگار
عثمانیہ کالج اورنگ آباد

بیاورید گریں جا بود زباندانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

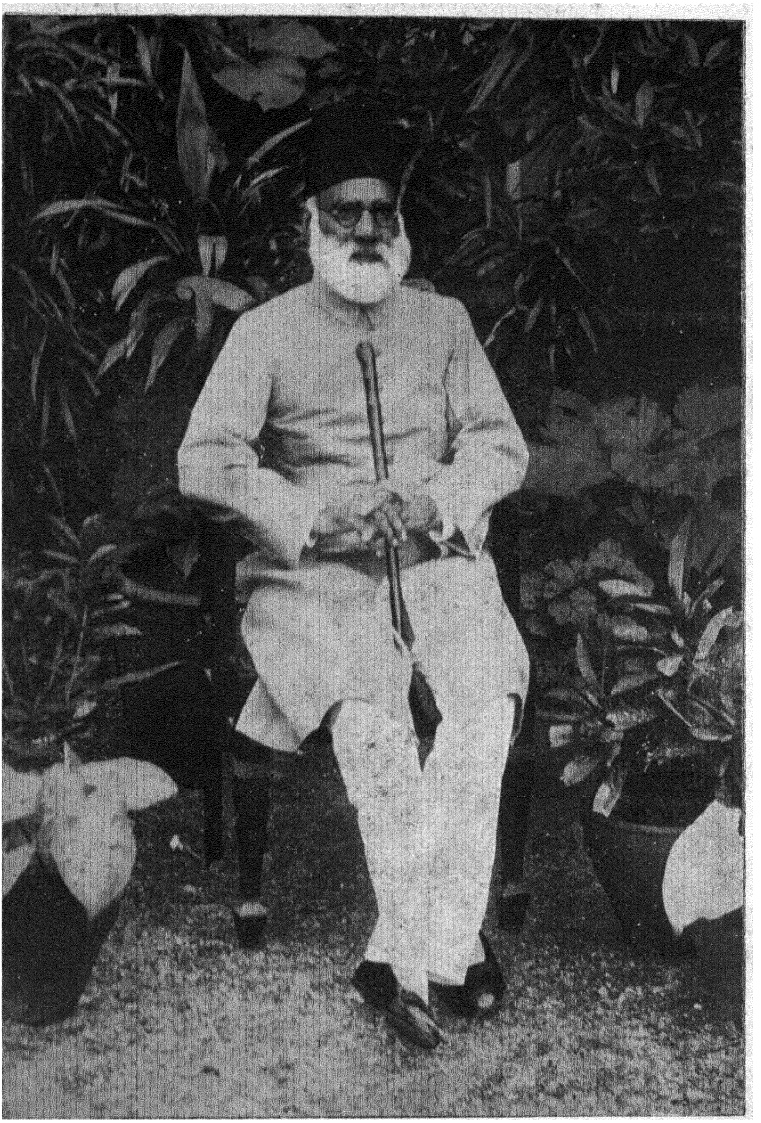

جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب قبلہ مدظلہ
سابق پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد

جناب مولوی سید محی الدین صاحب

بی - اے ' بار - ایٹ لا جدید پرنسپل عثمانیہ کالج

(آپ نے سنہ ۱۹۰۸ ع میں ایم - اے - او - کالج سے بی-اے کی ڈگری لی اور سنہ ۱۹۰۹ ع میں اس ریاست اید مدت سے سرکاری وظیفہ حاصل کر کے ولایت تشریف لے گئے جہاں سے ۱۹۱۳ ع میں بارسٹری کی سند لے کر تشریف لائے - اس ریاست کی ملازمت کے زمانے میں آپ درجہ بدرجہ مددگار ہوم سکرٹری مددگار ناظم تعلیمات ' صدر مہتمم تعلیمات ' رجسٹرار جامعہ عثمانیہ ' ناظم دارالترجمہ اور اول مددگار نظامت تعلیمات رہ چکے ہیں ' ظاہر ہے کہ تعلیمی امور کے متعلق آپ کی نظر کس قدر وسیع ہوگی ' کالج کی صدارت کے لئے آپ کا انتخاب ہر حیثیت سے موزوں اور ہم سب کی خوش نصیبی کا باعث ہے) —

جناب مولوی سید محی الدین صاحب بی اے، بار- ایٹ - لا
جدید پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد - دکن

مولوی عبدالحق صاحب کی زندگی
کے مختلف رخ

A MESSAGE TO THE AURANGABAD COLLEGE STUDENTS

Students of the Osmania Intermediate College, Aurangabad :

I am sending this message to you in response to an invitation from the Secretary of your College Magazine. He tells me that you are getting up an Abdul Haq number of your Nauras in honour of your retired Principal, Maulvi Abdul Haq Saheb, to whose single-minded, sincere and selfless devotion your College owes its present prestige. Your Secretary had asked me in that connection to contribute my own personal recollections of Maulvi Abdul Haq Saheb. I wish I had the time; but I must send you a brief message in the hope that you will all resolve to render him the best and most lasting tribute that is within your power, by following his noble example of deep devotion to the interests of students, unquenchable thirst after knowledge for its own sake, and unflagging industry in the field of research.

Sooner or later you too will pass through the portals of your University out into the larger Universe; you will have obtained some degree or qualified for some profession. These, however much they may help you in your material life, in your bread-winning activities, will not and cannot redound to the glory of your College unless they are supplemented by two greater and more important factors: a well-balanced mind and a strong character. A real three-sided growth, i.e. Body, Intellect and Character will be the ultimate criterion by which your Alma Mater, the Osmania University, will be judged.

Young men of the Aurangabad College! You are living in a period of storm and stress. The old social structure is every where falling to pieces. New hopes and new aspirations are stirring the imagination of Youth all over the country. No doubt, as educated young men, you are expected to know well about these movements and in a certain measure you will be interested in the talks, feelings and ambitions of your older compatriots of other places. But, remember above all that the real test of your education will lie not in blindly yielding to views simply

because they happen to be for the moment popular; but in using your judgment as befits those living in an academic atmosphere, to take a sober and detached view of them, in using your strength where they are heading for disruption and destruction, and to help them onwards where they are making for the general peace, unity and well-being of your fellow citizens.

In the end I am sure you will join me in fervent prayers for the long continuance of the rule of His Exalted Highness, such that all his subjects in these dominions may march onwards along the path of progress and prosperity.

(Sir) Hyder Nawaz Jung.

پیغام نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر
دام اقبالہ

[ذیل میں ہم اس پیغام کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو ہماری درخواست پر عالی جناب نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر - صدر المہام فینانس سرکار نظام نے ہمارے طلبہ کے لئے ارسال فرمایا ہے - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے نوجوان طلبہ اس غور سے پڑھیں گے ' اور اور ان خیالات کو اپنی موجودہ اور آئندہ زندگی کے لئے مشعل ہدایت بنائیں گے] ایڈیٹر

عثمانیہ انٹر میڈیٹ کالج اورنگ آباد کے طالب علمو!

تمہارے کالج میگزین کے معتمد صاحب نے مجھے دعوت دی ہے کہ طلبائے کالج کے نام کوئی پیغام بھیجوں ' اور یہ اسی دعوت کا جواب ہے ' تمہارے معتمد صاحب فورس نے مجھے مطلع کیا ہے کہ تم لوگ اپنے وظیفہ یاب سابق پرنسپل مولوی عبدالحق صاحب کی یاد اور ان کے اعزاز کے طور پر اپنے رسالے کا ایک عبدالحق نمبر ترتیب دے رہے ہو ' جن کی بے لاگ ' مخلصانہ اور سرگرم مساعی کی بدولت

تمہارے کالج نے اپنی موجودہ شہرت اور ہر دل عزیزی حاصل کی ہے ۔ تمہارے معتمد صاحب نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ اس موقع پر میں مولوی عبدالحق صاحب کے حالات زندگی کے متعلق اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کروں۔ کاش مجھے اس کی فرصت ہوتی، لیکن کم از کم یہ میرا فرض ضرور ہے کہ تم سب کے نام ایک مختصر سا پیغام بھیجوں، اور وہ یہ کہ مجھے اس کی پوری امید ہے کہ تم سب مولوی صاحب کی اعلی مثال کو سامنے رکھ کر انہی کی طرح طلبہ کے مفاد کے لئے ہمہ تن منہمک رہنا، علم کی محض علم ہی کی خاطر، نہ بجھنے والی پیاس رکھنا، اور میدان تحقیق میں انتھک کوشش سے کام لینا اپنا مقصد بنالوگے، اور حقیقتاً اگر کوئی بہترین اور پائندہ ترین یاد ان کی ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ تم ان کی اس مثال پر عمل کرو —

جلد ہو یا دیر میں، لیکن وہ دن آنے والا ہے جب تم بھی اپنی یونیورسٹی کے دروازوں سے نکل کر دنیا کے بڑے دروازے کے اندر قدم رکھوگے، تمہارے پاس کوئی ڈگری یا کسی پیشہ یا کار و بار کی سند تکمیل ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ ان چیزوں سے تمہیں اپنی مادی زندگیوں، کھانے کمانے کی مصروفیتوں میں ضرور مدد مل سکے گی،

لیکن یاد رکھو کہ جب تک ان کے ساتھ وہ ان سے بھی عظیم تر اور اہم تر عوامل شریک نہ ہوں گے، ان کا کوئی اثر تمہارے کالج کے نام نیک اور اس کی شہرت پر نہ پڑ سکے گا: اور وہ دو عوامل کیا ہیں؟ ایک سلجھا ہوا، سلامت رو ذہن، اور دوسری پختہ مضبوط سیرت!! تمہاری مادر علمی، جامعہ عثمانیہ کی جانچ جس کسوٹی پر ہوگی وہ یہ ہے کہ تم نے جسم، ذہن اور سیرت ان تینوں پہلوؤں سے اصلی اور سچی نشو و نما پائی ہے یا نہیں!

اورنگ آباد کالج کے نوجوانو! تم جس دور میں سے گذر رہے ہو وہ طوفان اور کشمکش کا دور ہے۔ پرانے معاشرتی نظام کے ڈھانچے تمہارے گرد و پیش ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ ملک میں چاروں طرف نوجوانوں کے دلوں میں نئی نئی امیدیں اور نئے نئے ولولے جوش زن ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیثیت تعلیم یافتہ نوجوان ہونے کے تم سے یہ امید کی جائے گی کہ تم ان تحریکوں سے بخوبی واقف ہو، اور دوسرے مقامات پر تم سے بڑی عمر کے ساتھی جس قسم کی تقریریں کر رہے ہیں، یا جو کچھ ان کے احساسات اور حوصلے ہیں، ان میں تھوڑی بہت دلچسپی تمہیں بھی ضرور ہوگی۔ لیکن یاد رکھو

کہ تمھاری تعلیم کا اصلی معیار اور اس کی سچی آزمائش صرف یہی نہیں ہے کہ جو خیالات اور رائیں فی الوقت رائج اور مقبول ہیں، تم بھی آنکھہ بند کر کے انھیں قبول کر لو - نہیں! تمھاری اصلی آزمائش اس میں ہوگی کہ تم ان چیزوں کے متعلق ایسی متانت اور ٹھنڈے دل سے راے قائم کرو جو علمی فضا میں رہنے والوں کے شایان شان ہے، اگر دیکھو کہ یہ خیالات انتشار اور تباہی کی طرف جا رہے ہیں تو اپنی پوری قوت سے ان کی مدافعت کرو، اگر ان سے آئندہ تمھارے ابناے ملک کے امن و امان، اتفاق و اتحاد صلاح و فلاح کی امیدیں ہوں تو ان کی مدد کرو، اور انھیں آگے بڑھاؤ—

آخر میں مجھے امید ہے کہ تم سب میرے ہم آواز ہوکر یہ دعا کروگے کہ خدا کرے کہ اعلیٰ حضرت خلداللہ ملکہ و سلطنتہ کا عہد دولت ابدالآباد تک باقی رہے، اور ان کے سایۂ عاطفت میں ممالک محروسہ کی رعایا ترقی اور خوش حالی کی طرف برابر بڑھتی چلی جاے آمین

(نواب سر حیدر نواز جنگ)

LAHYATO - HU - TAYYAB.

I have been highly honoured by Mr. Syed Wahajuddin with a request to write some words about our friend Maulana Abdulhaq. Not words of sorrow, surely, for the loss sustained by Mr. Wahajuddin and his co-workers at Aurangabad is our gain at Hyderabad, though I feel sure that the Maulana Saheb — let me call him He with a capital H hence-forward — will continue to be as good a friend to the Rialway Company, that is, we can now say, to the State, as He was before; and that He will continue to oscillate between Hyderabad and Aurangabad just as before, like the shuttle of a mighty weaver weaving who knows what wonderful fabric of words and thoughts and dreams.

He is a man after the heart of all of us, and those who are privileged to know him think of him with trust and affection. Beard is taken in Arabia for human honour, says a great English traveller; of an honest man the Bedouin say: LAHYATO - hu - TAYYAB: his is a good beard. I was so happy

when I came across this passage in Arabia Deserta, for I did not even know if whether it would be taken amiss if I spoke of his beard as one of the many things that endear him to me, even in the city which is a veritable museum of beards of every shape and size and colour. "Though your beard be scarlet as henna, it shall be white as snow" I hear myself saying at times. How formidable and yet how friendly looks a group of young officers after a fortnight on Everest, with their chins and cheeks nestling in the shielding growth. If I were in supreme danger, it would be His beard which I would choose to cling to, in spite of the curt and caustic remarks it pleases him to make at times both to and about me. For you must know that another lovable thing about him is that you can be as free and frank with him as with a Yorkshireman, and you get as good as you give, as we say. He is the incarnation of a commonsense that is very welcome in India, and He shows it often by his silence, though He cannot keep his deep eyes from their eloquence. You can sit with him, or walk with him without a word being spoken, as men did with Benjamin Jowett, and it will do you good. The other day a representative

of one of the greatest publishing houses in the World was with me and His name happened to come up.

"Ah ! he is a great man " said my guest with the same sincerity that Abraham Lincoln showed when he saw Walt Whitman and cried ; "There goes a man "

I shall never forget the first time I visited your delightful Aurangabad, — the City of Oranges I thought it meant when I heard of the wealth of orchards there once had been there. I had travelled through the night from Bombay on a slow and ramshackle train taking ten hours to Manmad in April, hot and sleepless and longing for a swim. It was with great delight that I got into the clean new carriage of a neat inviting train of the Nizam's State Railway, and I was all eyes for my first glimpse of those strange hills you have around you, so full of historic and even pre-historic memories. By mistake I got out at Daulatabad, where there was no one but a kindly station master, who gave me one of those tempting long chairs with leg-rests and a back so deep that you fall asleep almost before your head touches it. At any rate I did, and it was dusk before I awoke . The telephone was

set to work , and at last He arrived full of very definite and well-deserved criticism of my lack of acumen . But the drive along miles of shady avenue was worth it, and the utter amazement I felt when we drew up to a noble gate-way of beautiful decorations, and high enough to let the king of elephants through . I was rooted there , wanted to linger over every panel and piece of metal I could see in the dim light of the janitor's ancient lamp . But the beard won , and led me forward into what seemed the more of a paradise because he had never breathed a word of the splendour of his home . My panegyrics moved him not a whit. I was almost as pleased in another and perhaps deeper way with his cottage outside the wall of the gorgeous mausoleum. For I dearly love a cottage that looks out over wide space, that is inhabited by such a host, that contains such apples and grapes and books, and such a friendly steward as Abdur Rahim who deserves an essay by Charles Lamb. The happiness of my stay there was only equalled by that of a trip He took me to Khuldabad, Ellora and the great hill-fort. I shall never forget how patiently He guided me to many a tomb of Saint and Hero on the table-land above

the Caves, and how we spent a whole day in the windy Bala-hisar high up above the fascinating solitude of the ruined fort.

Many a time have I met him since then, and He is always the same, changeless as the rocks that surround us and as full of shade and sunshine. Always I long to get from him the story of the great work He is doing, the moulding of his mother tongue into one of the mighty languages of mankind, but like most heroes of learning his mind contains so much more than ever He can disclose, especially to one who cannot speak his language. It is indeed an arduous work He is embarked upon, and He is only one of the many there must be before success is in sight. And surely it behoves all of us who are in touch with him in anyway to set before us the ideal of becoming worthy to be a fellow-worker of his, though even in the humblest capacity. In the raising of such a speech to its rightful place among the languages of the world, the first need is of thinkers and writers, trained to habits of observation and accuracy, and able to carry their enthusiasm into the truly Poetic activity of giving things fitting and memorable names. Everyone can contribute something to the

extension or embellishment of Urdu and every language can help another in some way. for some time I have been working at forms of English used in India, and it is astonishing to see how many Urdu and Hindi words have been welcomed into both literary and spoken English. I am largely looking forward to the time when the authorities, I hope of this very State, will bid him start the publication of a Dictionary of Urdu on Historical Principles. Year before last I paid a visit to my old friend Sir William Craigie, one of the Editors of the Oxford English Dictionary. He too, has a delightful cottage in the country, just above the track that is all there is left there of the ancient Ickenild Way. Sitting on that cool green ridge, with the spires of Oxford just visible in the distance. we talked of his work in America, where he spends the greater part of each year, for the University of Chicago has called him over to train students in Lexicography, and lay the foundations of a Dictionary of American English. Of his own accord Sir William who knows India urged the preparation of a Dictionary of Urdu on modern principle, and I told him that we had in Hyderabad the man and the materials.

I have had the pleasure of seeing Maulana

Sahib in my own cottage in the Jungle before I removed into what they call a house. On one occasion He was pleased with his usual antiseptic frankness to refer to it as a hovel ! I did not say anything at the time, but the other day I had my revenge. I asked him whether He was thinking of settling down for good in Hyderabad, - and whether He had found a suitable house . " Yes " he said, with a twinkle in those wise eyes, " I have the cottage in the Jungle you used to live in ,,

With the ceaseless noise of a main road in my ears, and of the coolies chattering like the crane and the swallow, how often I wish that I were living in that quiet retreat of him by the BIBI MAKBARA, with its expanse of air and open heath before it, stretching away to the scraped hillsides containing those Buddhist caves of centuries ago .

E . E . SPEIGHT

لحیدہ طیب *

(نوشتہ پروفیسر ای - ای - اسمتھ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد مترجمہ اڈیٹر)

[فاضل مضمون نگار نے ہماری فرمائش پر یہ مضمون نورس کے عبدالحق نمبر کے لئے ارسال فرمایا ہے، یہ مضمون جس قدر بلند پایہ، اعلیٰ ظرافت کا نمونہ اور ہمارے ہر دل عزیز مولوی صاحب، کی سیرت کا سچا خاکہ ہے، اس کا اندازہ اس کے پڑھنے سے ہوگا، چونکہ ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ انگریزی سے ناواقف حضرات اس کے لطف سے محروم رہیں، اس لئے ہم نے اصل مضمون کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی دیدیا ہے۔ کاش ترجمہ میں اصل کی ذرا سی جھلک بھی پائی جاتی، تو ہم سمجھتے کہ ہماری محنت وصول ہوگئی۔ اڈیٹر]

---

* فاضل مضمون نگار نے خود دوران مضمون میں صراحت کردی ہے کہ، یہ ایک بدوی محاورہ ہے، جب بدوی کسی کی تعریف کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنے یہ ہیں کہ "اس کی ڈاڑھی بہت اچھی ہے"۔ ہم فاضل مضمون نگار کو اس علوان کے انتخاب پر داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے اڈیٹر

مسٹر سید وہاج الدین نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اپنے کرم فرما مولانا عبدالحق صاحب کے متعلق کچھ لکھوں۔ یہ فرمائش میرے لئے عزت افزائی کا باعث ہے، لیکن میں جو کچھ لکھوں گا، اس میں رنج و ملال، یاس وافسوس کے جذبات نہ ہونگے، اس لئے کہ جس چیز کو مسٹر وہاج الدین اور ان کے اورنگ آبادی ساتھی اپنی بدقسمتی خیال کرتے ہیں، وہ یہاں حیدرآباد میں ہم سب کی عین خوش نصیبی کی دلیل ہے، اگرچہ مجھے اس کا پورا یقین ہے کہ ہمارے مولانا (کاش میں انہیں بڑے میم سے مولانا لکھ سکتا) ریلوے کمپنی کے یا اب یوں کہنا چاہئیے کہ ریاست کے ویسے ہی دوست رہیں گے جیسے کہ ہمیشہ سے تھے، اورنقش ہائے ازل کی نال کی طرح، جو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آجاکر خدا معلوم الفاظ، تصورات اور تخیلات کے کیسے کیسے تا نے بانے تیار کرتی رہتی ہے، وہ بھی برابر حیدرآباد اور اورنگ آباد کے پھیرے کرتے رہیں گے —

مولانا کی شخصیت ہم سب کے دلوں میں گھر کئے ہوے ہے، اور جن لوگوں کو ان کی شناسائی کا شرف حاصل ہو چکا ہے، وہ ہمیشہ اعتماد اور محبت کے جذبات کے ساتھ ان کا خیال کرتے ہیں۔ ایک بڑے انگریزی سیاح کا قول ہے کہ ملک عرب میں ڈاڑھی کو عزت اور وقار کی

نشانی سمجھا جاتا ہے - جب بدوی کسی کی نیک نیتی اور دیانت کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں " لحیتہ طیب" یعنی اس کی داڑھی خوب ہے - جب میں نے انگریزی کتاب Arabia Deserta (بادیہ عرب) میں یہ جملہ پڑھا تو میں کہہ نہیں سکتا کہ مجھے کتنی خوشی اور تقویت ہوی' اس لئے کہ پہلے مجھے ڈر تھا کہ اگر میں "ان" کی داڑھی کا ذکر کروں اور یہ کہوں کہ جن چیزوں نے مولانا کی جگہ میرے دل میں پیدا کردی ہے ان میں داڑھی بھی ایک اہم درجہ رکھتی ہے تو شاید لوگ خفا ہوجائیں اور اسے میری بدتہذیبی سمجھیں - اگرچہ شہر حیدرآباد خرد مختلف شکل' حجم اور رنگ کی داڑھیوں کا ایک اچھا خاصہ عجائب خانہ ہے' لیکن "ان" کی داڑھی کی بات میں کہیں نہ پاتا - یہاں میں اکثر اپنے دوستوں سے کہتا رہتا ہوں کہ آج آپ کی داڑھی حنائی ہے تو کیا' کل یہی بگلے کے پر کی طرح سفید ہوجائے گی - آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ کوہ ایورسٹ پر پندرہ دن گزارنے کے بعد نوجوان افسروں کی شکلیں کتنی رعب دار ہو جاتی ہیں' اور ساتھ ہی ساتھ ان میں ایک طرح کی دلکشی پیدا ہوجاتی ہے - اس قلب ہیت کی وجہ کیا ہے' صرف یہ کہ اب ان کی ٹھڈیاں اور ان کے رخسارے پندرہ روزہ روئیدگی کے دامن عافیت

میں پناہ گزیں ہیں - میری اپنی رائے تو یہ ہے کہ اگر کبھی مجھے کسی سخت خطرے کا سامنا ہو اور پناہ کی تلاش ہو تو میں (باوجود اس کے کہ مولانا اکثر مجھ پر یا میرے متعلق جلے کٹے فقرے کہتے رہتے ہیں) سیدھا " ان " کی داڑھی کے دامن عافیت کا رخ کروں ! ایک اور صفت مولانا کی یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ ' اتنے ہی بے تکلف ہو سکتے ہیں جتنے کسی یارک شائر کے رہنے والے کے ساتھ ' اور ترکی بہ ترکی کا مزا پاسکتے ہیں - ان کو خدا نے ایسی سمجھ بوجھ کا مجسمہ بنا یا ہے جو ہندوستان میں اس جوہر کی کمی کو دیکھتے ہوے بسا غنیمت نظر آتی ہے ' اور وہ اس کا ثبوت اکثر خاموش رہ کر دیا کرتے ہیں ' یہ اور بات ہے کہ ان کی گہری آنکھیں پکار پکار کر زبان حال سے ان کے دل کے بھید بتاتی رہیں - آپ بغیر ایک بات کئے ہوے ان کے ساتھ اسی طرح بیٹھ سکتے ہیں یا چہل قدمی کر سکتے ہیں جیسے لوگ بنجمن جوویٹ (Benjamin Jowiet) کے ساتھ کیا کرتے تھے ' اور اس سے آپ کو فائدہ بھی پہونچے گا . ابھی تھوڑے ہی دنوں کا ذکر ہے کہ دنیا کے ایک نہایت مشہور دارالاشاعت کا ایک نمائندہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا ' اتنے میں " ان " کا ذکر آگیا اس پر میرے مہمان نے کہا " ارے صاحب ! وہ

بہت بڑا شخص ہے'' اور یہ الفاظ بالکل ویسے ہی خلوص کے ساتھہ ادا کئے گئے تھے جس طرح ابراہام لنکن نے والٹ وھٹ میں (Walt Whitman) کو جاتے دیکھہ کر بے اختیار کہا تھا وہ دیکھو وہ ایک انسان جارہا ہے —

میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتا جب میں نے پہلے پہل آپ کے خوش منظر اورنگ آباد کی سیر کی - چونکہ میں سن چکا تھا کہ کسی زمانے میں یہ شہر میووں کے باغات سے کتنا مالا مال تھا ' اس لئے میرا خیال تھا کہ شاید اس کا اصلی نام اورنگ آباد کے بجائے نارنگ آباد ہو گا - میرا بمبئی سے منماڑ تک کا سفر ایک نہایت ہی سست چلنے والی ہالا ڈولا پاسنجر گاڑی میں کٹا تھا جس نے ۱۰ گھنٹے میں مجھے منماڑ پہنچایا تھا - اپریل کا مہینہ تھا ' اور میں گرمی کے مارے بدحواس تھا اور - جی چاہتا تھا کہ کوئی تالاب ملے اور میں اس میں خوب غوطے لگاوں - مجھے بے انتہا خوشی ہوئی جب منماڑ میں میں نظام اسٹیٹ کی ایک صاف ستھری اور دیدہ زیب گاڑی میں سوار ہوا - میری آنکھیں مشتاق تھیں کہ ان عجیب و غریب پہاڑیوں کی جھلک دیکھیں جو آپ کے گرد و پیش واقع ہیں - اور جن کے سینوں میں تاریخی ' نیز ماقبل تاریخی زمانوں

کی یادداشتیں محفوظ ہیں۔ غلطی سے میں حیدرآباد پر اُتر پڑا۔ وہاں سوائے اسٹیشن ماسٹر کے اور کوئی متنفس موجود نہ تھا، اس بچارے نے مجھے "خواب آور" قسم کی ایک آرام کرسی دی، جس پر پائدان بھی تھا، اور جس کی پیٹھ اتنی گہری تھی کہ سر ٹکانے سے پہلے ہی آدمی سوجائے۔ کم از کم میں تو سوگیا اور جب اُٹھا تو دن ڈھل چکا تھا۔ ٹیلیفون کے ذریعے میرے وجود کی اطلاع اورنگ آباد کی گئی اور آخر کار "وہ" آن پہنچے اور میری اس کم زوری اور کج دلی پر انھوں نے مجھے خوب لتاڑا، لیکن اس کے بعد موٹر میں بیٹھ کر میلوں لمبی سایہ دار سڑک پر ہوا خوری میں جو لطف مجھے آیا، اس نے اس کی تلافی کردی۔ جب موٹر ایک بڑے پھاٹک* پر رکی تو اس کے حسین نقش و نگار دیکھ کر میں محو حیرت بن گیا۔ وہ اتنا بلند تھا کہ اس کے نیچے سے ہاتھیوں کا بادشاہ بھی آسانی سے نکل سکتا تھا۔ میرے قدم وہیں جم گئے، اور میں چاہتا تھا کہ دربان کی پرانی وضع کی قندیل کی دھندلی روشنی میں اس دروازے کے پیتلی پتر کا ایک ایک نقش اچھی طرح سے دیکھوں، لیکن آخر کار اس کشمکش میں فتح

---

* یہ مقبرہ رابعہ دورانی کا پھاٹک ہے — مترجم

تاڑھی ھی کی ھوئی، اور وہ مجھے آگے لے گئے، اب جو جگھہ میں نے دیکھی، وہ فردوس نظر معلوم ھوتی تھی اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مسکن کی خوبصورتی اور دل کشی کے متعلق ایک حرف بھی اپنے منہ سے نہ نکالا تھا۔ اس خوبصورت منظر کی شان میں میں نے قصیدہ خوانی شروع کردی، لیکن "ان" پر اس کا مطلق اثر نہ ھوا۔ اس سے بھی زیادہ گہرا اور بالکل دوسری ھی نوعیت کا اثر میرے دل پر ان کے اس چھوٹے سے مکان کو دیکھہ کر ھوا جو اس عالی شان مقبرے کی چار دیواری کے باھر واقع ھے۔ مجھے ایسے چھوٹے خوبصورت مکانات سے عشق ھے جن کے سامنے ایک بہت بڑا میدان ھو، جس میں "ان" جیسا میزبان ھو، جس میں سیب اور انگور کھانے کو اور کتابیں پڑھنے کو ملیں، اور جس میں عبد الرحیم خاں فینسی کا سا داروغہ ھو۔ جو اس کا مستحق ھے کہ چارلس لیمب (Charles Lamb) اس پر ایک پورا مضمون لکھہ ڈالے!

اورنگ آباد کے قیام سے جو مسرت مجھے ھوئی، وہ اس وقت اور دوبالا ھوگئی جب "وہ" مجھے خلد آباد، ایلورہ، اور دولت آباد کے عظیم الشان پہاڑی قلعے کی سیر کے لئے لے گئے۔ جس صبر و تحمل کے ساتھہ انھوں نے مجھے غاروں کے اوپر کی سطح مرتفع میں آرام کرنے والے اولیا اور سورماؤں

کی قبریں ایک ایک کرکے دکھائیں اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ پھر اس کے بعد شکستہ حال اور برباد شدہ قلعہ دولت آباد کے دل کھینچنے والے سکوت میں، ہوا دار بالا حصار پر ہم لوگوں نے جس طرح ایک پورا دن بسر کیا، اس کی یاد بھی ہنوز میرے دل میں باقی ہے —

اس کے بعد کئی مرتبہ مجھے ان سے ملاقات کرنے کا موقع ملا ہے اور میں نے انہیں ہمیشہ اسی حالت پر پایا، بالکل ان پہاڑیوں کی طرح جو ہمارے گرد و پیش واقع ہیں۔ ویسا ہی غیر تغیر پزیر اور انہیں کی طرح دھوپ چھاؤں سے بھرا ہوا! مجھے ہمیشہ اس کی آرزو رہتی ہے کہ جس عظیم الشان کام میں وہ مصروف ہیں: یعنی اپنی مادری زبان کو دنیا کی زبردست زبانوں کا ہم پایہ بنا دینا۔ اس کی تفصیل میں ان کی زبان سے سنوں، لیکن میدان علم کے دوسرے سورماؤں کی طرح ان کے دماغ میں اتنے زیادہ خیالات موجود ہیں کہ وہ کبھی پوری طرح ظاہر ہی نہیں کرسکتے، اور خاص کر ایک مجھ جیسے شخص کے سامنے جو ان کی زبان سے ناواقف ہے۔ جس کام کا انھوں نے بیڑا اُٹھایا ہے، وہ دراصل بہت دقت طلب کام ہے، اور ان جیسے بہت سے کام کرنے والے ہوں تب کہیں کامیابی

کی صورت نظر آسکتی ہے۔ ہم میں سے ہر اس شخص کا جس کا ان سے کچھ بھی تعلق ہے، یہ فرض ہونا چاہئے کہ ہم ان کے شریک کار بننے اور ان کا ہاتھ بٹانے کی قابلیت پیدا کرنے کو اپنا نصب العین بنالیں، خواہ اس سلسلے میں کیسی حقیر سے حقیر خدمت ہی ہمارے سپرد کیوں نہ کردی جائے۔ اُردو جیسی زبان کو السنہ عالم کی صف میں صحیح جگہ دینے کے لئے سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ ایسے مفکر اور مصنف پیدا کئے جائیں، جن کی قوت مشاہدہ اور صحت تحقیق منجھی اور سدھی ہوئی ہو، اور جو اس قابل ہوں کہ اپنے جوش کو اصلی اور سچی شاعری میں صرف کریں، اور یہ سچی شاعری کیا ہے؟ اشیاء کائنات کے لئے موزوں اور یادگار اسماء تلاش کرنا! ہر شخص اگر چاہے تو زبان اُردو کی توسیع اور تراش خراش میں تھوڑا بہت حصہ ضرور لے سکتا ہے، اور ہر زبان سے دوسری زبان کو کچھ نہ کچھ مدد ضرور مل سکتی ہے۔ میں کچھ عرصہ سے انگریزی زبان کی ان اشکال کے متعلق جو ہندوستان میں مروج ہیں کام کررہا ہوں، اور مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ تصویری نہ تقریری انگریزی نے اُردو اور ہندی کے کتنے بے شمار الفاظ کو سر آنکھوں پر بٹھایا ہے۔ مجھے اس دن کی بڑی آرزو ہے جب کہ ارباب حل و عقد، اور

غالباً اسی ریاست کے ارباب بست و کشاد انھیں تاریخی اصولوں پر اُردو زبان کی لغت مدون کرنے کا حکم دیں گے۔ پیوستہ سال میں اپنے دوست سر ولیم کرے گی (Sir william Craigie) سے جو آکسفورڈ ڈکشنری کے اڈیٹروں میں سے ہیں، ملنے گیا تھا۔ وہ بھی (ہمارے مولانا کی طرح) دیہات میں ایک خوش منظر جھونپڑی میں رہتے ہیں، وہ اس پگڈنڈی کے ذرا اوپر واقع ہے جو آج قدیم شاہراہ آئی کی فلڈ (Ickenild Way) کی اکیلی یادگار ہے۔ اس سرد و شاداب ٹیکرے پر بیٹھ کر جہاں سے آکسفورڈ کے مینارے دور پر دھندلے دھندلے نظر آتے ہیں، ہم لوگوں نے اس کام کے متعلق گفتگو شروع کی جو سر ولیم امریکہ میں کر رہے ہیں، جہاں وہ سال کا زیادہ تر حصہ بسر کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ شکاگو (Chicago) کی یونیورسٹی نے سر ولیم کو اس لئے طلب کیا ہے کہ وہاں کے طلبہ کو فن لغت نویسی کی تعلیم دیں، اور امریکی انگریزی زبان کی لغت کی بنیادیں رکھیں۔ سر ولیم نے، جنھیں ہندوستان کا تجربہ ہے، خود بخود اس امر پر زور دیا کہ اردو کی بھی ایک لغت جدید اُصولوں پر تیار کی جائے، اور میں نے ان سے کہا کہ ہمارے حیدر آباد میں

اس کام کا مواد اور اس کے کرنے کے لئے ایک شخص، دونوں موجود ہیں —

جس چیز کو عرف عام میں مکان کہا جاتا ہے، اس میں منتقل ہونے سے پہلے میں جنگل میں ایک جھونپڑے میں رہا کرتا تھا، اور وہیں مجھے مولانا سے ملاقات کرنے کا شرف بھی حاصل ہوچکا ہے۔ ایک موقع پر انھوں نے اپنی خلقی صاف گوئی سے کام لے کر، جو اکثر اخلاقی سمیات کے لئے تریاق کا حکم رکھتی ہے، میرے غریب خانہ کو "کھوہ" کہا تھا۔ اس موقع پر تو میں نے کچھ نہ کہا، لیکن ابھی چند روز ہوئے کہ میں نے بھی اس کا بدلہ لے لیا ہے میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ حیدر آباد میں مستقل طور پر رہنے کا ارادہ کرچکے ہیں، اور آپ کو کوئی مکان بھی ملا یا نہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے وہی جنگل والا جھونپڑا لے لیا ہے جس میں آپ رہا کرتے تھے۔ یہ کہتے وقت ان کی ذہین آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی!

آج کل میں جس جگہ رہتا ہوں، وہاں سڑک کے شور و غل کی آواز برابر میرے کانوں میں آتی رہتی ہے، مزدوروں کی قاؤں قاؤں کی صدائیں، سارسوں اور ابابیلوں کی بولیوں کی طرح برابر میں سنتا رہتا ہوں اور میرے

943

دل میں بے اختیار یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش میں
„ ان „ کے اس پر سکون عزلت کدہ میں رہتا ہوتا جو
بی بی مقبرے کے پڑوس میں واقع ہے ' جس کے سامنے
دور تک کھلی ہوئی فضا اور بڑا سا میدان موجود ہے جو
پھیلتا ہوا ان پہاڑیوں کے دامن سے جا ملا ہے جن میں آج
سے صدہا سال پہلے بدھ مت کے پجاریوں نے اپنے لئے غار
بنائے تھے !

اِی - اِی - اسپیٹ —

رسالۂ اُردو

[رسالۂ اردو نے دسویں سال میں قدم رکھا ہے
بہتر تو یہ تھا کہ آیندہ اکتوبر میں جب
دسویں جلد کا آخری نمبر شائع ہولیتا تو رسالے
کی دہ سالہ زندگی پر تبصرہ کیا جاتا - لیکن
ار باب نورس کو عبدالحق نمبر نکالنا تھا اور
وہ چاہتے تھے کہ اس نمبر میں نورس کے پیر
اردو کا ذکر بھی ضرور ہو، اس لئے انھوں نے نہ
تو مناسب وقت کا انتظار کیا اور نہ اچھا تبصرہ
نگار ڈھونڈ ھنے کی زحمت اٹھائی بلکہ میرے پیچھے
پڑ کر مجھ سے یہ مضمون لکھوالیا - مضمون لکھنا
مشکل ہے مگر شرف الحق صاحب کا تقاضا اور
غلام ربانی صاحب کی تاکید اور تہدید سہنا اور
بھی زیادہ دشوار ہے - عذر گناہ ہو چکا اب گناہ
کی باری ہے]

علم و ادب کو اگر ہم ہرا بھرا باغ کہیں تو رسالے
اس کی پود کیاری کہلائیں گے - جیسے پود کیاریوں میں
ادھر ادھر سے بیج لا کر بوے جاتے ہیں، کھاد ڈالی
جاتی ہے، پانی دیا جاتا ہے، جب پودے نکلتے ہیں

تو اُن کی پرداخت ہوتی ہے اور جب وہ بڑے ہوجاتے ہیں تو نکال کر باغ میں نصب کردئے جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ تناور درخت بن جائیں اور اپنے سائے اور پھل پھول سے لوگوں کو فیض پہنچائیں۔ اسی طرح رسالوں میں لوگوں کے خیالات جمع کئے جاتے ہیں، بحث مباحثے سے ان کی نشو و نما ہوتی ہے تنقید اور رد و قدح سے ان میں کانٹ چھانٹ کی جاتی ہے اور جب وہ کسی قدر محکم اور استوار ہوجاتے ہیں تو کتابوں میں شائع کردئے جاتے ہیں کہ آہستہ آہستہ زیادہ وسیع حلقے میں پھیلیں اور اہل نظر اُن سے لطف اور فائدہ اُٹھائیں —

بعض باغبان اپنی پود کیاری میں ہر طرح کے پودے لگاتے ہیں اور بعض صرف ایک ہی طرح کے۔ قسم قسم کے پودے لگانے والوں کا کام بڑی اُلجھن کا ہوتا ہے، انہیں ہر قسم کے پودے کے لئے الگ الگ موزوں زمین اور مناسب کھاد تلاش کرنا پڑتی ہے اور کھاد اور پانی کی ٹھیک مقدار کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ گاہکوں کی فرمائشیں پوری کردیتے ہیں لیکن کوئی اُپج یا جدت نہیں دکھا سکتے۔ وہ اسی قسم کے پودے تیار کرتے ہیں جن کی بازار میں مانگ ہوتی ہے مگر انہیں اس کا موقع نہیں ملتا کہ تجربے کرکے موجودہ

قسموں کو بہتر بنائیں اور نئی نئی قسمیں پیدا کریں۔ مگر جو لوگ ایک ہی قسم کے پودے لگاتے ہیں وہ اکثر اپنے محدود کام کو پوری سرگرمی سے کرتے ہیں اور اس میں ایجاد اور اختراع سے کام لیتے ہیں —

یہی حالت رسالوں کی ہے۔ جو رسالے علوم و فنون، ادب اور شاعری مذہب اور سیاست غرض ہر موضوع پر بحث کرتے ہیں انہیں مضامین آسانی سے مل جاتے ہیں لیکن ان کے مدیروں کو ان مضامین کے جانچنے اور پرکھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ ایک شخص میں یہ جامعیت ہونا محال ہے کہ وہ ہر علم و فن کے مضامین کو پوری طرح سمجھ سکے، ان کے حسن و قبح کو پہچان سکے اور ان میں اصلاح دے سکے اور اتنی مقدرت بہت کم رسالوں میں ہوتی ہے کہ ہر شعبے کے لئے ایک لائق مدیر رکھیں۔ اس لئے پچھڑگی رسالے عام طور سے تنقیہ اور اصلاح کا فرض اچھی طرح ادا نہیں کرسکتے بلکہ صرف مضامین جمع کرکے اور زیادہ سے زیادہ زبان کی غلطیاں درست کرکے شائع کردیتے ہیں۔ ان کی ادبی خدمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر یہ خدمت یہیں تک محدود ہے کہ ملک کے مذاق کے مطابق پڑھنے کی چیزیں فراہم کردی جائیں۔ عام مذاق کو سدھارنا اور سنوارنا اس میں وسعت اور بلندی پیدا کرنا ان کے بس کی

بات نہیں - اس کے لئے ایسے رسالوں کی ضرورت ہے جن کا موضوع کوئی ایک فن ہو - ایسے رسالوں کے مدیر کو چاہے مضامین حاصل کرنے میں دشواری ہو مگر یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ وہ خود ہر مضمون کو اپنے مقرر کئے ہوئے معیار پر جانچ سکتا ہے اور مناسب ترمیم اور اصلاح سے اُس کی صوری اور معنوی خوبیوں میں اضافہ کر سکتا ہے - وہ اپنے فن میں مہارت رکھتا ہے اور جو کچھ اس فن پر لکھا جا چکا ہے وہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے - اس لئے وہ اپنے مضمون نگاروں کو پامال رستوں پر چلنے اور دوسروں کی کہی ہوئی باتیں دہرانے نہیں دیتا بلکہ ان سے نئے مضامین نئے خیالات ، نئی تحقیقات کا مطالبہ کرتا ہے - اس کا رسالہ پڑھنے والوں کے لئے محض وقت گذارنے کا ذریعہ نہیں بلکہ نئی معلومات کا ذخیرہ ہوتا ہے —

یورپ کی زبانوں میں جتنے وقیع علمی رسالے ہیں اُن میں سے اکثر کا یہی رنگ ہے - ہماری زبان میں اس رنگ کا اچھا رسالہ صرف اردو ہے —

اُردو کا موضوع اردو زبان اور ادب ہے - اس موضوع کی پوری اہمیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ زبان اور ادب کا تعلق مجموعی زندگی سے کیا ہے —

زبان عام طور پر اظہار خیال کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے لیکن سچ پوچھئے تو یہی وہ سانچہ بھی ہے جس میں خیالات ڈھلتے ہیں - زبان خیالات کی پابند ہوتی ہے مگر کبھی کبھی خیالات کو بھی زبان کا پابند ہونا پڑتا ہے - قوموں میں اعلیٰ دل و دماغ کے لوگ پیدا ہوتے ہیں، اُن کے ذہن میں بلند و برتر خیالات آتے ہیں اور وہ انھیں الفاظ میں ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انھیں کامیابی اسی حد تک ہوتی ہے جس حد تک اُن کی مادری زبان میں ان خیالات کو قبول کرنے کی صلاحیت ہو - بیشک بعض ارباب فکر اپنے خیالات کو ادا کرنے کے لئے زبان میں نئے الفاظ اور نئی ترکیبیں تراشتے ہیں جو قبول عام کی سند حاصل کر لیتی ہیں لیکن یہ ملکہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے - ایک شخص میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا مشکل ہے کہ وہ علمی تحقیق اور فلسفیانہ غور و فکر بھی کر سکے اور اپنے نئے خیالات کو ظاہر کرنے کے لئے ایسے نئے الفاظ بھی وضع کر سکے جو آسانی سے زبان میں گھل مل جائیں - اس لئے جس قوم کی زبان میں کافی وسعت اور گہرائی نہ ہو اس کے بہترین خیالات اکثر ضائع ہوجاتے ہیں -

جو خیالات کسی زبان میں لطافت اور خوبی کے ساتھ بیان کئے جائیں انھیں ادب کہتے ہیں - ادب اور علم دونوں

میں زندگی اور کائنات کا عکس خیالات میں اتارا جاتا ہے اور یہ خیالات الفاظ میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ علم میں انسان اور غیر انسان کی اہمیت یکساں سمجھی جاتی ہے، ہر چیز کی تصویر اس کے اصلی رنگ میں کھینچی جاتی ہے، اس کو اجزا میں تقسیم کرکے ہر جز کا مشاہدہ الگ الگ کیا جاتا ہے اور خیالات کی صحت اور منطقی ترتیب پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور ادب میں انسانی زندگی کائنات کا مرکز سمجھی جاتی ہے، ہر معروض اسی نسبت سے دیکھا جاتا ہے، اس کی تقسیم اور تحلیل اسی حد تک کی جاتی ہے کہ مجموعی زندگی سے تعلق باقی رہے اور خیالات کے اظہار میں وضاحت اور حسن ادا کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ادب قوموں کی پچھلی زندگی کا عکس ہوتا ہے اور ان کی آئندہ زندگی کی تشکیل پر اس کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ ہر مہذب قوم اپنے اعلیٰ جذبات و خیالات اور اپنے قابل فخر کارناموں کی یادگار اپنے ادب میں چھوڑ جاتی ہے اور اس کی آئندہ نسلیں اس ادبی سرمائے سے بصیرت عبرت اور تقویت حاصل کرتی ہیں۔ جو قوم اپنے ادب کا مطالعہ نہیں کرتی وہ نہ اپنے آپ کو پہچانتی ہے نہ اپنی قوت پر اعتماد رکھتی ہے اور نہ اپنی ترقی کی راہ ڈھونڈھ سکتی ہے —

ہم ہندوستانی پچھلے پچاس برس سے تعلیمی علمی اور عام تمدنی ترقی کی کوشش کر رہے ہیں۔ پہلے ہم اس دھوکے میں رہے کہ ہم انگریزی زبان اور مغربی علم و ادب کو اپنا لیں گے اور ان کی مدد سے اپنی ذہنی اور تمدنی ضروریات پوری کر لیں گے لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ اول تو ہمیں غیر زبان اور غیر مانوس خیالات پر پورا عبور حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر یہ ہو بھی جائے تو ان سے روحانی اور دلی تعلق پیدا ہونا ناممکن ہے۔ نہ ہم انگریزی زبان میں اپنے گہرے خیالات اور جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں اور نہ انگریزی ادب سے سچی اخلاقی اور روحانی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ ہم انگریزوں سے یا یورپ کی دوسری قوموں سے کچھ نہیں لے سکتے یا ہمیں کچھ نہ لینا چاہئے لیکن پہلے ہمارا کوئی گھر بھی تو ہو کہ جو دوسروں سے مانگ کر لائیں اُسے ٹھکانے سے رکھ سکیں —

اب تھوڑے دن سے ہمیں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اپنی تہذیب کی عمارت اپنی ہی اینٹوں اور اپنے ہی گارے سے بنائیں البتہ جہاں کہیں ضرورت ہو یورپ کی کڑیوں اور شہتیروں سے بھی بے تکلف کام لیں۔

اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ ہمیں اپنی زبان اور اپنے ادب کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ اور اسی سے کچھ امید ہوتی ہے کہ ہم مغرب کی ذہنی اور سیاسی غلامی سے نجات حاصل کر لیں گے —

اس تمہید سے واضح ہو گیا ہو گا کہ رسالۂ اُردو نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے یعنی اُردو زبان اور اردو ادب کی توسیع اور ترقی وہ ہماری مجموعی تمدنی زندگی کے لئے کس قدر اہم اور ضروری ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس رسالے نے اپنی نو دس سال کی زندگی میں کتنا کام کیا ہے اور کیسا کیا ہے —

سنہ ۱۹۲۱ ع میں جب مولوی عبدالحق صاحب کو ایک خالص ادبی اور لسانی رسالے کے نکالنے کا خیال پیدا ہوا اور انھوں نے اپنے احباب سے مشورہ کیا تو سب نے کہا کہ اگر موضوع اس قدر محدود رکھا گیا تو رسالہ ہرگز نہ چلے گا۔ اس کا اصولی جواب اردو کے پہلے پرچے میں اور عملی جواب اس کے نو سال کے کام میں نظر آتا ہے۔ جنوری سنہ ۲۱ ع کے پرچے میں آغاز کے عنوان سے مولوی صاحب نے جو مضمون لکھا تھا اس کا کچھ اقتباس ہم قارئین نورس کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ انہیں رسالۂ اردو کے مقاصد تفصیل سے معلوم

ہو جائیں - اس کے بعد آسانی سے اندازہ ہو سکے گا کہ اتنے دن میں یہ مقاصد کس حد تک پورے ہوے -

مولوی صاحب فرماتے ہیں :—

" سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ رسالہ خالص ادبی ہوگا - یہ مثل کشکول کے نہ ہوگا جس میں ہر قسم کے رطب و یابس اور انمل بے جوڑ مضامین بھر دئے جاتے ہیں اور کوئی خاص مقصد پیش نظر نہیں ہوتا - اس پر اکثر صاحبوں نے اعتراض کیا - وہ فرماتے ہیں کہ کاغذ کی یہ ناؤ کب تک چلے گی اور یہ مضمون کب تک مساعدت کرے گا - بہت ہوا تو دو سال چلے گا اور آخر یہ دفتر تہ کرنا پڑے گا " —

" میں اس کا جواب دینا چاہتا ہوں - میرا خیال ہے کہ ان صاحبوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا اور روش عام اس رائے کا باعث ہوئی ہے اگر ذرا نظر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ میدان باوجود تنگی کے بہت کچھ وسعت رکھتا ہے اور بجاے خود ایک عالم ہے - قلم کا مسافر آبلہ پا نہ ہو تو یہاں وہ منظر نظر آئیں گے جن کے لطف اٹھانے اور بیان کرنے کو ایک عمر چاہئے - نظر کوتاہی نہ کرے تو بہت سے خزانے ایسے ہیں جو ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں اور جنھیں ہوا تک نہیں لگی -

ہمت جی نہ چرائے تو بہت سی کانیں ہیں جو ابھی کھودنی ہیں " —

" کون انکار کرسکتا ہے کہ بہت سے الفاظ اور محاورے ابھی تک تحقیق طلب ہیں —

" بہت سے ایسے مصنف اور شاعر ہیں جن کا کلام ابھی تک بساط قدر دانی تک نہیں پہنچا " —

" بہت سی کتابیں ہیں جو لکھنے کے بعد ہی گوشۂ گمنامی میں رہ گئیں یا شایع ہوتے ہی ناپید ہو گئیں " —

" زبان کے رسم الخط املا اور انشا میں بہت سی باتیں اصلاح طلب اور مشورہ اور بحث کی محتاج ہیں " —

" زبان کی ترقی اور اشاعت کی بہت سی ایسی تجویزیں ہیں جو ابھی تک عالم خیال سے صفحۂ قرطاس پر نہیں آئیں - ان پر بحث کرنا ' ان کا جانچنا ان کو عمل میں لانا بھی بڑا کام ہے " —

" تنقید جو ادب کی جان اور ذوق سلیم کی روح رواں ہے ابھی ہمارے یہاں ابتدائی مرحلے میں ہے - اسے صحیح رنگ میں دکھانا بہت بڑا فرض ہے - اس کے بغیر ادب کی خدمت ادا ہونی ممکن نہیں " —

" اردو کے بہت سے محسن ایسے ہیں جن کے حالات

ملک کے سامنے پیش ہونے چاہئیں اور خاص کر جو خدمت انھوں نے اردو کی کی ہے اُسے وضاحت کے ساتھ دکھانے' اور ان کے کلام پر ہمدردانہ اور تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت باقی ہے " —

" اس کے علاوہ غیر زبانوں کے ادب میں ایسے انمول موتی ہیں جو صاحب نظر ادیب اور شائقین ادب کے لئے سب سے بڑا تحفہ ہیں - ضرورت ہے کہ انہیں اردو کے لباس میں پیش کیا جائے تاکہ ہمارے اہل ملک اسلوب بیان' طرز تخیل اور ادائے مطلب سے حظ حاصل کریں اور متمتع ہوں " —

" خود غیر زبانوں کے ادب کا بیان ہمارے لئے سبق آموز اور عبرت خیز ہوسکتا ہے مثلاً اس نے کن ذرائع سے ترقی حاصل کی اور اہل ملک کی خصائل و عادات پر کیا اثر ڈالا اور ملک کے ابھارنے اور بنانے میں کیا کام کیا " —

" اس زمانے میں اردو کے حامی اور بھی خواہ اپنی زبان کو عالمی زبان بنانے کے متمنی ہیں اور اس کے لئے بہت کچھ سعی بھی کر رہے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ کس‌قدر دشوار اور کٹھن منزل ہے - جدید اصطلاحات اور نئے خیالات کے لئے الفاظ تلاش کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے -

باوجود ہزار سرگردانی اور جاں کاوی کے بیان تشنہ رہتا ہے اور مطلب ادا نہیں ہوتا - بعض اچھے اچھے ذہین اور مستعد اصحاب اس کوہ کنی اور مغز پاشی سے عاجز ہو کر کام چھوڑ بیٹھتے ہیں - یا یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے خیال و رائے کے مطابق من مانے الفاظ استعمال کرنے لگتا ہے جس سے پڑھنے والے کو سخت الجھن ہوتی ہے اور زبان میں کوئی لفظ قائم نہیں ہونے پاتا - لیکن کیا کیا جائے مجبوری ہے - اپنے خیالات کا اظہار کہاں کریں - ان بحثوں کو کیونکر پیش کیا جائے اور فیصلہ کس طرح ہو - اس کی ایک ہی صورت ہے جو ہمارے آپ کے پیش نظر ہے "-

" علاوہ اس کے زبان و ادب کے متعلق اور بہت سے مباحث اور مسائل ایسے ہیں جو کتابوں میں نہیں آسکتے، جنہیں الگ شایع نہیں کر سکتے - ان کی کھپت ایسے ہی رسالے میں ہوسکتی ہے جس کا یہی ایک مقصد ہے تاکہ لوگ اسے پڑھیں، ضرورت ہو تو اپنے خیالات اور تنقید سے دوسروں کو مستفید کریں اور عالمانہ بحث سے سب کو فائدہ پہنچے " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالے کے مقاصد حسب ذیل تھے :—

(۱) زبان کے رسم الخط، املا اور انشا کی تہذیب و ترتیب۔

(۲) الفاظ اور محاورات کی تحقیق —

(۳) وضع اصطلاحات —

(۴) تنقید یعنی زبان و ادب کی خوبیوں کا معیار قائم کرنا اور اس معیار پر پرانے اور نئے لکھنے والوں کی کتابوں کو پرکھنا —

(۵) ادبی تاریخ، خصوصا کمیاب کتابوں کی اشاعت اور قابل قدر غیر معروف شاعروں اور مصنفوں کو ادب کے قدر دانوں سے روشناس کرانا - اردو کے محسنوں کے حالات شایع کرنا اور ان کی خدمات کا جائزہ لینا —

(۶) غیر زبانوں کے ادب کا ناقدانہ مطالعہ اور ان کے ادبی جواہر کو اردو میں منتقل کرنا —

(۷) زبان کی ترقی اور اشاعت کی تجاویز پر غور کرنا۔

اب ہم اردو کی پرانی جلدوں سے (سنہ ۲۱ ع تا سنہ ۲۹ ع) منتخب مضامین کی ایک فہرست دیتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ یہ رسالہ ان مقاصد کو پورا کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے - یہ انتخاب جامع اور مانع نہیں سرسری نظر سے دیکھنے میں جو مضامین زیادہ اہم اور مفید معلوم ہوے ان کا ذکر کر دیا گیا - اگر کچھ اچھے مضامین رہ گئے ہوں تو اہل نظر اسے ہماری بے انصافی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری کوتاہ نظری سمجھیں —

(۱)

(۱) تجویز دربارۂ اصلاح رسم الخط - عبداللہ یوسف علی صاحب جنوری سنہ ۲۱ م

(۲) تجویز اصلاح رسم الخط - مولوی سید ہاشمی صاحب جولائی سنہ ۲۱ م

(۳) " " " مولوی نعیم الرحمن صاحب اکتوبر سنہ ۲۰ م

(۴) " " " " " اپریل سنہ ۲۳ م

(۵) " " " سید احمد علی صاحب جنوری سنہ ۲۲ م

(۶) " " " " " اپریل سنہ ۲۳ م

(۷) ہماری زبان اور ضروریات زمانہ - پروفیسر ہارون خانصاحب شروانی اکتوبر سنہ ۲۲ م

(۸) اصلاح رسم خط سید الطاف حسین صاحب کاظم اپریل سنہ ۲۳ م

(۹) اصلاح اُردو " " اکتوبر سنہ ۲۳ م

(۱۰) اُردو رسم خط میں اصلاح ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب اکتوبر سنہ ۲۳ م

(۱۱) نستعلیق ٹائپ مرزا رفیق بیگ صاحب جنوری سنہ ۲۹ م

اس بحث کا عملی نتیجہ یہ نکلا کہ انجمن ترقی اُردو نے رسم خط کے عمدہ اصول مرتب کرلئے۔ اس کی جو ریڈریں چھپ کر شائع ہوئی ہیں ان میں یہی اصول مدنظر رکھے گئے ہیں - اگر انجمن اس مسئلے پر ایک چھوٹا رسالہ بہت بڑی تعداد میں چھپوا کر شائع کردے تو یہ اصول عام ہوجائیں گے اور رسم خط کی اصلاح اور یکسانی میں بڑی مدد ملے گی۔ حکومت عثمانیہ کی سرپرستی میں اردو کا جو نستعلیق ٹائپ کئی سال سے بن رہا تھا اور اب مکمل ہوگیا ہے اس کے کارپرداز بھی رسالۂ اُردو کے ان مضامین کے رہین منت ہیں۔

(۲)

تلمیحات - مولوی وحید الدین سلیم مرحوم جولائی سنہ ۲۱ع
"   "   "   جنوری سنہ ۲۲ع
متروکات - پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی اکتوبر سنہ ۲۵ع

الفاظ اور محاورات کی تحقیق پر مستقل مضامین لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ مذکورۂ بالا مضامین لکھنے والوں نے بڑے گہرے مطالعے کے بعد مرتب کئے ہیں۔ ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی نے بھی ایک فاضلانہ مقالہ احوال اسم (اپریل سنہ ۲۳ ع) پر لکھا تھا۔ مولوی عبد الحق صاحب نے قواعد اُردو پر جو قابل قدر کتاب تالیف فرمائی اس میں غالباً ان مضامین سے بھی مدد لی گئی ہوگی۔ یہ کتاب برسوں کی تحقیق اور جگر کاوی کے بعد لکھی گئی ہے اور زبان کی سب سے اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اہل فن کو چاہئے کہ اس کے ایک ایک صفحے کو غور سے پڑھیں اور جس مسئلے میں انھیں مولوی صاحب کی تحقیق سے اختلاف ہو اس پر اردو کے صفحات میں بحث کریں۔ ہماری رائے میں اگر رسالۂ اُردو الفاظ اور محاورات کے متعلق متفرق سوالات اور اُن کے جواب شائع کرتا رہے تو زبان کی بڑی خدمت ہو۔ اس میں یہ اندیشہ ضرور ہے کہ بہت سے لوگ فضول سوال کریں گے اور بعض لوگ مہمل جواب دیں گے لیکن

مدیر اردو سب مراسلات کو شائع کرنے پر مجبور نہیں ہیں - صرف اس قسم کی چیزیں چھپیں جیسے سنہ ۲۸ ع کے پرچوں میں جناب محوی کا استفسار اور محمد عمر و نورالہی صاحبان کا جواب ان انگریزی الفاظ کی تذکیر و تانیث کے متعلق جو اردو میں مستعمل ہیں -

(۴)

(۱) علمی مصطلحات دیسی زبانوں میں نواب عمادالملک مرحوم جنوری سنہ ۲۱ ع

(۲) اصول وضع اصطلاحات مولوی وحیدالدین سلیم مرحوم اپریل سنہ ۲۱ ع

(۳) اصطلاحات علمیہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم جولائی سنہ ۲۳ ع

یہ موضوع ایسا جاری ہوا ہے کہ تین حضرات نے اس پر قلم اٹھایا اور تینوں دنیا سے کوچ کر گئے - مگر ان کی کوششوں نے وضع اصطلاحات کے کام کو ناممکن سے ممکن بنا دیا اور ترجمے کے فن میں جان ڈال دی - ان مسائل پر مولوی سلیم صاحب مرحوم کے بیش بہا خیالات انجمن ترقی اردو نے ایک رسالے کی شکل میں شائع کر دئے ہیں - علاوہ نظری بحث کے رسالہ اردو نے انگریزی اصطلاحات کے ترجمے کا عملی کام بھی انجام دیا - مولوی سلیم صاحب مرحوم، مولوی عبدالحق صاحب اور مرزا محمد ہادی صاحب مختلف فنون کی اصطلاحات کے ترجمے وقتاً فوقتاً رسالے میں شائع کرتے رہے - اس کام کا سہرا اصل میں جامعہ عثمانیہ کی کمیٹی وضع اصطلاحات کے سر ہے لیکن رسالہ اردو نے

کمیٹی کی وضع کی ہوئی اصطلاحات کو شائع کرنے میں قابل قدر امداد دی - چند سال کی کوشش میں اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا اور انجمن ترقی اردو اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے فرہنگ مصطلحات چھپوا کر شائع کردی گئیں - اس میدان میں ابھی بہت کام باقی ہے لیکن تھوڑے دن میں جتنا کچھ ہوا وہ بموجب حیرت اور قابل فخر ہے —

(۴)

(۱) محاسن کلام غالب ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری جنوری سنہ۲۱ع

(۲) کلام غالب کی بعض خصوصیات } مولوی محمد مہدی صاحب اپریل سنہ۲۱ع

(۳) ,, ,, ,, جولائی سنہ۲۱ع

(۴) ناول ڈاکٹر لطافت حسین خاں صاحب اکتوبر سنہ۲۱ع

(۵) کلام غالب اردو کی شرحیں مولوی سید ہاشمی صاحب اپریل سنہ ۲۲ع

(۶) تلقیح شعرالعجم محمود خاں صاحب شیرانی اکتوبر سنہ ۲۲ ع

جنوری سنہ ۲۳ ع

اپریل سنہ۲۳ع جنوری ۲۶ ع

اکتوبر سنہ ۲۶ ع

(۷) ,, محمود خاں صاحب شیرانی } اکتوبر سنہ۲۳ع
پروفیسر محمد اقبال صاحب }

(۸) اکبر کا آخری دور شاعری مولوی عبدالماجد صاحب بی-اے اکتوبر سنہ ۲۲ع

(۹) ,, ,, ,, اپریل سنہ۲۳ع

(۱۰) شاعری عظمت اللہ خاں مرحوم اکتوبر سنہ۲۳ع

(۱۱) " " " جنوری سنہ۲۴ع

(۱۲) شاعری کا ایک نظریہ سید ساجد علی صاحب جولائی سنہ۲۴ع

(۱۳) غالب کا فلسفہ مولوی سید ہاشمی صاحب اکتوبر سنہ ۲۵ع

(۱۴) ذوق کی غزل گوئی پر تبصرہ " نقاد " جنوری سنہ۲۶ع

(۱۵) اردو شاعری پر اعتراض سید مسعود حسن

کی نظر اور تحقیق کی نگاہ صاحب رضوی جولائی سنہ۲۶ع

(۱۶) مومن پر ایک نظر ضیاء احمد صاحب بدایونی اکتوبر سنہ۲۷ع

(۱۷) کیا اردو شاعری تقلیدی سید مسعود حسن صاحب

اور غیر فطری ہے رضوی اکتوبر سنہ۲۷ع

(۱۸) ناول نویسی اور اردو علی عباس حسینی صاحب اپریل سنہ۲۸ع

(۱۹) دور تراجم احمد فخری صاحب اکتوبر سنہ۲۹ع

ان مضامین نے اردو زبان میں اعلیٰ تنقید کی بنیاد ڈالی اور سچا ادبی مذاق پیدا کر دیا۔ خصوصاً شیرانی صاحب کی تنقید شعر العجم نے مفید اور نتیجہ خیز علمی مناظرے کا وہ رستہ دکھایا جس سے ہماری آنکھیں اب تک نا آشنا تھیں۔ جس پائے کی کتاب علامہ شبلی نے لکھی تھی اسی پائے کی یہ تنقید ہے۔ افسوس ہے کہ مناظرے کے جوش میں کہیں کہیں شیرانی صاحب کا لہجہ سخت ہو گیا اور بعض نامناسب الفاظ ان کے قلم

سے نکل گئے - مگر مجموعی حیثیت سے رسالے کے تنقیدی مضامین اس قدر متین ہیں کہ اردو زبان کیا دنیا کی کسی زبان میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی- ان مضامین کے علاوہ رسالے نے تنقید و تبصرہ کا ایک مستقل باب کھولا ہے جس میں نئی کتابوں اور رسالوں پر اور کبھی کبھی علمی انجمنوں کے جلسوں اور علمی اداروں پر فاضلانہ اور محققانہ تنقید کی جاتی ہے - نو سال کے عرصے میں اکثر تبصرے ایسے نکلے ہیں جو بجاے خود ادبی نکات اور معلومات کے مخزن ہیں - ان میں سے زیادہ تر مولوی عبدالحق صاحب کے اور کمتر دوسرے نقادوں کے لکھے ہوے ہیں - مولوی صاحب کا کمال یہ ہے کہ تنقید کے اعلیٰ اور پاکیزہ معیار کو بھی قائم رکھتے ہیں اور مبتدیوں اور نو مشقوں کی ہمت افزائی میں بھی دریغ نہیں کرتے - موصوف کی تبصرہ نگاری پر تبصرہ کرنے کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے - ان کی تنقیدوں نے ملک میں یہ مقبولیت اور وقعت حاصل کی ہے کہ لوگ انھیں مملوع افسانوں کی طرح شوق سے پڑھتے ہیں اور شرعی عدالت کے فیصلوں کی طرح ادب سے تسلیم کرتے ہیں —

(۵)

(۱) کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ

جزو اول (تاریخی) مولوی غلام یزدانی صاحب جنوری ۲۲ع

جزو دوم (ادبی) مولوی عبدالحق صاحب ,, ,, ,,

(۲) اردو زبان کی ترقی نجیب اشرف صاحب ندوی

میں صوبۂ بہار کا حصہ جنوری سنہ ۲۳ع

(۳) آثارالکرام ترقی علوم و فنون حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری

بہ عہد سلطنت مسلمانان ہندوستان جولائی سنہ ۲۳ع

(۴) ,, ,, ,, اپریل سنہ ۲۴ع

(۵) خطبات گارساں دتاسی مترجمہ سید راس مسعود صاحب

جنوری سنہ ۲۳ع و جولائی ۲۳ع

اکتوبر سنہ ۲۳ع و اپریل ۲۵ع

جولائی سنہ ۲۷ ع

(۶) ,, ,, مترجمہ عبدالباسط صاحب جولائی ۲۹ع

(۷) اہل یورپ نے اردو زبان مولوی عبدالحق صاحب جنوری ۲۴ع

کی کیا خدمت کی ؟

(۸) ,, ,, ,, جولائی ۲۴ع

(۹) ہندوستان کا ڈراما محمد عمر و نورالہی صاحب جنوری ۲۴ع

(۱۰) ,, ,, ,, جولائی ۲۴ع

(۱۱) سب رس مولوی عبدالحق صاحب اکتوبر ۲۴ع

(۱۲) نواب عماد الملک مولانا شور مرحوم اکتوبر ۲۵ع

ذکر میر مولوی عبدالحق صاحب اپریل ۲۶ع

نواب عماد الملک مرحوم مولوی سید هاشمی صاحب جولائی ۲۶ع

ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی فرحت اللہ بیگ صاحب جولائی ۲۷ع

قدیم اردو (بیجاپور کے اولیاء اللہ
مولوی عبدالحق صاحب اپریل ۲۷ع
کا ایک شاعر خاندان)

,, ,, ,, جولائی ۲۷ع

,, ,, ,, جنوری ۲۸ع

سنہ ۱۲۶۱ ھ میں دلی
فرحت اللہ بیگ صاحب اکتوبر ۲۷ع
کا ایک مشاعرہ

ہندوستانی مصنفین
ترجمہ از گارساں دتاسی جنوری ۲۸ع
اور ان کی تصانیف

قدیم اردو (شرح
مولوی عبدالحق صاحب جنوری ۲۸ع
تمہید ہمدانی)

تذکرہ گلزار ابراہیم
محی الدین زور صاحب اکتوبر ۲۸ع
پر ایک نظر

مولوی وحیدالدین صاحب سلیم مولوی عبدالحق صاحب جنوری ۲۹ع

آفتاب ادب کا غروب (سلیم
سید سراج الدین صاحب ترمذی جنوری ۲۹ع
صاحب مرحوم کے حالات

قاضی محمود بحری اور
سید محمد حفیظ صاحب اپریل ۲۹ع
ان کا کلام

باقر آگاہ عبدالقادر سروری صاحب اپریل ۲۹ع

سسی پنوں محمد عمر نورالہی صاحبان اکتوبر ۲۹ع

یہ رسالے اردو کا خاص موضوع ہے جس پر اور رسالے بہت کم لکھتے ہیں ہم نے چند مضامین نمونے کے طور پر دیدئے ہیں ورنہ اور بہت سے قابل مطالعہ مضامین نکل چکے ہیں۔ اکثر مضامین نئی علمی تحقیقات (اور یجنل ریسرچ) کا نتیجہ ہیں اور اس قدر شرح بسط، دقت نظر اور استحکام کے ساتھ لکھے گئے ہیں کہ خفیف تغیر و تبدل کے بعد مستقل کتابوں کی شکل میں شائع ہو سکتے ہیں بلکہ بعض ہو بھی چکے ہیں۔ جب تک ادب اردو کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں اس وقت تک تاریخ ادب کے منتہی طالب علموں کے لئے رسالہ اردو کے چیدہ مضامین نصاب تعلیم کا کام دے سکتے ہیں۔ بعض مضامین مثلاً فرحت اللہ بیگ

کے دونوں شہپارے ' مولوی عبد الحق کا مضمون سلیم صاحب پر اور موصوف کے دوسرے مضامین کے منتخب ٹکڑے لطف زبان اور حسن بیان کے اعتبار سے اردو انشا پردازی کے لئے مایۂ ناز ہیں —

(۶)

مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر	مولوی عبد الحق صاحب	اپریل سنہ ۲۱ ع
شاہنامے کی نظم کے اسباب اور زمانہ	محمود خاں صاحب شیرانی	جولائی سنہ ۲۱ ع
ہجو سلطان محمود غزنوی	محمود خاں صاحب شیرانی	اکتوبر سنہ ۲۱ ع
یونانی علم ادب	مولوی سید ہاشمی صاحب	جنوری سنہ ۲۱ ع
" "	" "	اپریل سنہ ۲۱ ع
ہندی شاعری	پنڈت جنیشور پرشاد صاحب	جنوری سنہ ۲۲ ع
یوسف زلیخا ئے فردوسی	محمود خاں صاحب شیرانی	اپریل سنہ ۲۲ ع
کوکنی زبان پر سامی اثر	جی - اے چندر وارکر صاحب	اکتوبر سنہ ۲۲ ع

عالم ڈراما (یونانی ڈراما)	محمد عمر صاحب	اپریل سنہ ۲۳ ع
جگت بھاشا	ازرومین رولاں مترجمۂ وھاج الدین صاحب	جنوری سنہ ۲۴ ع
" "	نوشتہ وھاج الدین صاحب	اپریل سنہ ۲۴ ع
سویڈی ادبیات میں رومان کی حیثیت	مسز صالحہ حیدری مترجمہ وھاج الدین صاحب	اکتوبر سنہ ۲۴ ع
جاپان کی بعض ہم عصر شاعرات	مترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب	اکتوبر سنہ ۲۴ ع
فرانسیسی مجلس علمی کی تاریخ	مترجمہ سید وھاج الدین صاحب	اپریل سنہ ۲۵ ع
ادبیات ایران در زمان مشروطہ	"	" " "
تلسی داس کی شاعری	مولوی وحید الدین صاحب سلیم	جولائی سنہ ۲۵ ع
عرب کی شاعری	"	اکتوبر سنہ ۲۵ ع
ادبی بات چیت (فرانس)	حسن شاھد سہروردی صاحب مترجمہ سید وھاج الدین صاحب	اکتوبر سنہ ۲۵ ع

(روس)	حسن شاهد سہر وردی	اپریل سنہ ۲۶ ع
	صاحب مترجمہ سید	جولائی سنہ ۲۶ ع
	وہاج الدین صاحب	اپریل سنہ ۲۷ ع
مرہٹی ڈراما	دی بی کامت صاحب	جنوری سنہ ۲۶ ع
تجدد ادبی ایران	مترجمۂ سیدوہاج الدین	اکتوبر سنہ ۲۶ ع
	صاحب	
تصنیفات شیخ فریدالدین	محمود خاں صاحب	جنوری سنہ ۲۷ ع
عطار	شیرانی	
مرہٹی لٹریچر میں دی بی کامت صاحب		اپریل سنہ ۲۷ ع
سوانح عمریاں		
شاہنامہ کا دیباچۂ قدیم	حکیم سید شمس اللہ	اپریل سنہ ۲۷ ع
	صاحب قادری	
پروفیسر براؤن	میرزا عبد الوہاب	اکتوبر سنہ ۲۷ ع
	قزدینی مترجمہ اختر	
	شیرانی	
مرہٹی شاعری کی کہانی	دتاتریے ابھینکر صاحب	جولائی سنہ ۲۸ ع
	مترجمہ غلام ربانی	
	صاحب	
بہاری لال کا بیان حسن	پنڈت ونشی دھر صاحب	اکتوبر سنہ ۲۸ ع
خواجہ حافظ شیرازی	بشیر احمد صاحب ڈار	جنوری سنہ ۲۹ ع

مقدمۂ السنہ عالم   مرتبہ اے سی لے و مارسل   جنوری سنہ ۲۹ ع
کوهن مترجمہ وهاج الدین
صاحب

مقدمۂ فاؤست   سید عابد حسین   اپریل سنہ ۲۹ ع

ان میں سے زیادہ تر مقالے غیر زبانوں سے ترجمہ کئے گئے هیں مگر بعض اور یعبذل بڑی هیں - هندی' مرهٹی' کوکنی' فارسی' عربی' جاپانی' فرانسیسی' روسی' سویڈی' جرمنی ادب پر مفید اور دلچسپ مضامین هیں مگر تعجب هے کہ انگریزی ادب پر کوئی مضمون نہیں - غیر زبانوں کے ادب کے مطالعے سے علاوہ تفریح طبع اور توسیع نظر کے بڑا فائدہ یہ هے کہ ان کی نشو و نما اور ارتقا سے هم سبق حاصل کریں اور جہاں کہیں موقع هو زبان و ادب کی ترقی کے لئے ویسی هی تدابیر اختیار کریں جیسی دوسری قوموں نے اختیار کی تھیں۔ یہ فائدہ انگریزی ادب سے بدرجۂ اتم حاصل هوسکتا هے کیونکہ اس سے هم لوگ زیادہ واقف هیں یہاں تک کہ جن لوگوں نے انگریزی نہیں پڑھی وہ بھی انگریز شاعروں اور مصنفوں کے نام سے اور ان کے کلام سے کسی قدر آشنا هیں - اگر انگریزی ادب پر رسالۂ اردو میں ویسے هی محققانہ مضامین لکھے جائیں جیسے دوسری زبانوں کے ادب پر لکھے جاتے هیں تو پڑھنے والوں کو بھی زیادہ دلچسپی هوگی اور غالباً

اردو زبان کو بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا ۔ اس میں شک نہیں کہ دوسری مغربی زبانوں کے ادب کا مطالعہ کرنے سے ہمیں انگریزی کی ذہنی غلامی سے آزاد ہونے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن خود انگریزی ادب کے مطالعے سے بھی یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے - ہم لوگ عموماً کالجوں میں انگریزی ادب کی کتابیں اس طرح پڑھتے ہیں جیسے خوش اعتقاد لوگ مقدس صحیفوں کی تلاوت کیا کرتے ہوں یعنی سمجھنے کی غرض سے نہیں بلکہ ثواب کی نیت سے - اگر رسالۂ اردو میں ان کتابوں پر تنقید ی بحث کی جاے تو ہماری یہ ضعیف الاعتقادی دور ہو جاے گی اور ہمارا علم پختہ اور گہرا ہوجاے گا —

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-7

(۷)

جامعہ عثمانیہ	معلم	جنوری سنہ ۲۱	
تجویز بقاے اردو	مولوی غلام بھیک صاحب	" " " "	
اردو زبان کی ترقی کے متعلق چند خیالات	ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری	جولائی " "	
کلکتہ یونیورسٹی کمیشن اور دیسی زبانوں کی تعلیم	مولوی عبدالحق صاحب	" " سنہ ۲۲	

جس طرح الفاظ اور محاورات کی تحقیق پر بہت کم

مضامین لکھے گئے اسی طرح زبان کی اشاعت کے متعلق بھی عملی تجاویز کم پیش کی گئیں - اس کا سبب یہی ہے کہ لوگوں کے ذہن میں متفرق خیالات آتے ہیں مگر وہ انہیں مستقل علمی مضامین کی صورت میں نہیں لکھ سکتے - اگر رسالے میں مراسلات کا ایک باب قائم کر دیا جاے تو بہت سے مسائل پر مفید بحث ہو سکتی ہے ہم مثال کے طور پر چند باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اردو کی اشاعت کے لئے اہمیت رکھتی ہیں- دفاتر میں اردو کی ترویج - جنوبی ہند (صوبۂ بمبئی اور صوبہ مدراس) کے اردو مدارس کے لئے اچھے معلم دستیاب ہونے کی دقتیں اردو زبان اور ادب کا طریقۂ تعلیم تاجروں کے اشتہاروں اور ریل اور دواخانے وغیرہ کے اعلانوں میں اردو کی غلطیاں اور ان کی تصحیح کی تدابیر - یہ ایسے مسائل ہیں جن پر اہل علم بسیط مقالے لکھ سکتے ہیں اور ارباب عمل مفید اور مختصر مراسلات میں بھی اظہار خیالات کرسکتے ہیں- لیکن موخرالذکر حضرات رسالہ اردو کا بلند علمی معیار دیکھ کر جھجکتے ہیں-ان کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس جھجک کا مٹانا ضروری ہے —

ان صفحات کے ملاحظے سے قارئین فورس پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ رسالۂ اردو نے نو برس کے مختصر عرصے میں اردو علم و ادب کی وہ عظیم‌الشان خدمت انجام دی ہے جسے دیکھ کر اردو کے حامیوں کو بے انتہا مسرت ہوئی ہے اور بے حد تقویت پہنچتی ہے - ہندوستان کا تو کیا ذکر ہے یورپ اور امریکہ میں بھی بہت کم رسالے ہیں جن کا معیار اتنا بلند، جن کا مذاق اتنا پاکیزہ اور ستھرا ہے جیسا رسالۂ اردو کا ہے - سب سے بڑی خصوصیت اس رسالے کی یہ ہے کہ اس نے اپنے سامنے ایک واضح اور معین راہ عمل رکھی ہے اور کبھی اس راہ سے قدم نہیں ہٹایا - رسالوں کے مدیر جانتے ہیں کہ اچھے مضامین کا دستیاب ہونا کس قدر دشوار ہے - اس لئے وہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک محدود موضوع پر سال میں آٹھ سو صفحے کے قابل قدر مضامین فراہم کرنا اور پھر موضوع کا اتنی سختی سے پابند رہنا کہ اس کے باہر کا کوئی مضمون نہ آنے پائے کھیل نہیں ہے - جب مدیر اردو کے پاس تاریخ، یا معاشیات یا (خدا نخواستہ) فلسفے کا کوئی عمدہ مضمون آتا ہوگا اور وہ اسے واپس کرتے ہوں گے تو ان کا دل کیا کہتا ہوگا - مگر اس وضعداری اور آن کو دیکھئے کہ غیر ادبی مضامین تو ایک طرف ادب

میں بھی افسانے سے پہلو بچاتے رہے اور شاعری بھی رہی۔
تو بس " تھوڑی سی مزا منہ کا بدلنے کے لئے " - افسانوں
کے نہ ہونے اور شاعری کے کم ہونے سے بعض لوگوں کو
شکایت بھی ہے لیکن مدیر اردو کا غالباً یہ خیال تھا
کہ ان چیزوں کی اشاعت کے لئے دوسرے رسالے بھی
ہیں مگر زبان کے علمی مطالعے تاریخ ادب اور تنقیح کا
مذاق پیدا کرنے کے لئے لے دے کے یہی ایک رسالہ ہے-
ہم لوگ ابھی تک سوچنے اور سمجھنے سے اس قدر گھبراتے
ہیں کہ سوائے ' ادب لطیف ' کے جس سے دماغ پر بار
نہ پڑے اور بہ قول ایک مضمون نگار کے " کسی قسم کی
تکلیف نہ ہو " اور کوئی چیز پڑھنا گوارا نہیں کرتے-
رسالۂ اردو ہمیں ادب کے نام سے اچھے خاصے سنجیدہ
علمی مضامین پڑھنے اور سمجھنے کا عادی بنا رہا ہے
اور یہ ہماری ذہنی ترقی کی بہترین تدبیر ہے - پھر
بھی ہمارے خیال میں دس سال کا عرصہ ترک حیوانات
کے لئے بہت ہے اور ہمیں امید ہے کہ گیارھویں سال سے
رسالے میں زہد خشک کا رنگ کچھ کم ہو جائے گا اور
رفتہ رفتہ سے آشام کی ضیافت طبع کے لئے بھی کچھ سامان
ہوا کرے گا - افسانے اور شاعری کی قدر و قیمت سے
مدیر اردو خوب واقف ہیں - ہمیں کچھ عرض کرنے کی

ضرورت نہیں۔ مگر ہم اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کا صحیح مذاق پیدا کرنے کے لئے محض تنقید کافی نہیں؛ نمونے کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارے اردو رسالے عام طور پر اس معاملے میں بہت وسیع مشرب رکھتے ہیں اور رطب و یابس، موتی اور کنکر پھول اور کانٹے سب کو قبول کر لیتے ہیں اور پڑھنے والوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اگر رسالۂ اردو اچھے افسانوں کے چھاپنے کا التزام کرے تو یہ طوفان بے تمیزی کم ہو جائے گا اور لوگ اچھے برے میں امتیاز کرنے لگیں گے—

آخر میں ہم رسالۂ اردو کو دسویں سال میں قدم رکھنے پر مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ باغ ادب کا یہ نو نہال ہمیشہ پھولتا پھلتا رہے اور اس کے باغبان کو بہت دن تک اس کی بہار دیکھنا نصیب ہو—

عمرش باهتمام مدیرش دراز باد

مولوی عبدالحق کی انشاپردازی کا ایک نمونہ

از

(سیدہ ہاشمی فرید آبادی)

اورنگ آباد کالج ، اس کی شہرت رونق اور گہما گہمی ، یہ سب مولوی عبدالحق صاحب قبلہ کی محبت آمیز سعی و ترددہ کی یادگار ہے - کالج سے رسالہ نورس بھی انہی نے جاری فرمایا - مجھے یاد ہے کہ جب اس کے اجرا کی تجویز تھی اور مولوی صاحب ممدوح برابر اس کی ترتیب ، مضامین کی نوعیت و فراہمی ، تقطیع تصاویر اور طباعت وغیرہ مسائل پر غور بحث فرماتے رہتے تھے تو اسی سلسلے میں اس کے نام کی بحث پیش آئی • کہ صاف ستھرا مناسب موزوں بھی ہو اور نیا بھی ہو- پنجاب کے رسالہ بازوں کا خدا بھلا کرے ، اخبار یا رسالے کے لئے نیا نام تجویز کرنا کچھ آسان بات نہیں ہے - مجھے اورنگ آباد کے مشہور مقبرے کی مناسبت سے خیال

آیا کہ رسالہ کا نام ھل رس رکھا جائے کہ رابعہ دورانی بیگم کا اصلی نام یہی تھا - مولوی صاحب قبلہ سے عرض کیا تو وہ بہت خوش ہوئے مگر اسی کے ساتھ ان کی طبع رسا نے نوجوان طلبہ کا رسالہ ہونے کی مناسبت سے اس میں ایک تصرف کیا اور دلرس سے بھی زیادہ دلکش بلیغ نام نورس تجویز فرمایا جس میں تعلیمی ' تاریخی ' اور ادبی پہلو سب نہایت خوبی سے جمع ہیں۔

رسالہ نورس کے فاضل کار پردازوں نے بجا طور پر یہ ارادہ کیا ہے کہ بانی ممدوح کی یادگار میں ایک عبدالحق نمبر - شائع کریں - اسی سلسلے میں راقم الحروف سے فرمائش کی ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب قبلہ کی تنقید نگاری پر ایک مضمون تحریر کروں - مولوی صاحب ممدوح نے اردو میں تنقید کا جو ڈھنگ نکالا ہے اور اس شعبہ ادب کی جیسی کچھ خدمت کی ہے وہ درحقیقت ہمارے ادبی ارتقا میں ایک ممتاز جگہ پانے کی مستحق ہے - لیکن جب تک ان کی سب یا اکثر تنقیدی تحریریں جمع کر کے ' سب پہلوؤں پر ایک فن کی حیثیت سے بحث نہ کی جائے یہ مضمون تشنہ رہے گا اور فاضل نقاد کے ادبی کمالات کا صحیح اندازہ نہ ہوسکے گا - افسوس ہے اس وقت مجھے اتنی فرصت نہ مل سکی لیکن مخدومی

مولوی وہاج الدین صاحب کی فرمائش کو ٹالنا بھی ممکن نہ نظر آیا - آخر سوچ سوچ کر یہ تدبیر نکالی کہ مولوی صاحب قبلہ کی انشاپردازی پر کچھہ لکھنے کی بجاے ' خود ان کی انشاپردازی کا ایک دلچسپ نمونہ ناظرین نورس کے سامنے پیش کر دیا جاے جس میں مجھے محنت بھی نہ کرنے پڑے گی اور مولوی وہاج الدین صاحب کی فرمائش بھی کسی نہ کسی پیراے میں پوری ہو جائگی —

یہ مولوی صاحب قبلہ کا ایک خط ہے ' جس کو نورس کے لئے میں نے نقل کرالیا ہے - یہ افسر الاطبا حکیم امتیاز الدین مرحوم کی تعزیت میں ہے جو مولوی صاحب قبلہ کے بہت قدیم اور بڑے مخلص دوست تھے اور کاتب الحروف کے حال پر بھی کمال درجہ عنایت فرماتے تھے —

مولوی صاحب قبلہ کے یہ اور دوسرے خطوط ' جن کو میں احتیاط سے جمع کرتا رہتا ہوں ' اردو انشاپردازی کا ایک دلاویز نمونہ ہیں - اردو خطوط کے بہت سے مجموعے چھپ چکے ہیں مگر حق یہ ہے کہ بیان کی یہ روانی اور صفائی اسی کے ساتھہ بےتکلف ظرافت و زندہ دلی کا یہ رنگ کہیں نظر نہیں آتا - حقیقت میں نج کے خط کاتب کی طبعیت و سرشت کا آئینہ ہیں اور ان سے خود

لکھنے والوں کی طبائع اور ذوق کا گہرا فرق بہ آسانی ظاہر ہو جاتا ہے —

نقل خطوط

اورنگ آباد دکن - ۱۱ اگست ۲۷ ع

(۱)

عزیزی - ہمارا بے مثل دوست 'حکیم' مرگیا - افسوس' صد افسوس - ! وہ اپنے فن اور رنگ میں ایک تھا - اگرچہ طبیعت کا کم زور اور لاابالی تھا مگر دوستی کا سچا اور دھن کا پکا - یہ سچ ہے کہ وہ دنیا کے کام کا نہ تھا مگر خیال میں اس نے ایک ایسا عالم بنا رکھا تھا کہ عالم مثال بھی اس کے سامنے ہیچ تھا - اس میں ہر بات انتہائی تھی - محبت تھی تو انتہا درجے کی' عداوت تھی تو انتہا درجے کی - میانہ روی سے وہ بالکل آشنا نہ تھا - قدامت اور جدت عجب طرح سے اس کے مزاج میں سموی ہوئی تھی - قدامت ایسی کہ اچھے اچھے پرانے لوگ اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے تھے اور جدت ایسی کہ نئی روشنی کے ستارے بھی اس کے آگے ماند تھے —

وہ اپنے خیال میں آزاد' مطلق العنان اور اپنی طبیعت

کا بادشاہ تھا۔ وہ بہت کچھ کرسکتا تھا مگر اس کی ساری کائنات عالم خیال میں تھی جو کبھی شرمندہ عمل نہ ہوئی۔ اس کا تخیل اس قدر بلند تھا کہ فہم وہاں پہنچتے پہنچتے لڑکھڑانے لگتا تھا۔ شعر کا ذوق ایسا پاکیزہ اور اعلیٰ درجے کا تھا کہ میں نے آج تک کسی میں نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ شاعر نہ تھا۔ لیکن اچھے اچھے شاعر اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔ اس کا ہر فعل اور اس کی ہر بات شعر تھی۔ ایک معمولی مصرعہ، قوال کا ایک بول اسے آپے سے باہر کردیتا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ آپے سے باہر رہتا تھا —

جس قدر جلد وہ بگڑ جاتا تھا اسی قدر جلد خوش بھی ہوجاتا تھا۔ اس کی باتیں، اس کی چال ڈھال، اس کی ہیئت، اس کی طرز معاشرت، اس کا برتاؤ سب نرالے تھے اور سب میں لاابالی پن پایا جاتا تھا۔ وہ سوائے اپنے خیال کے کسی چیز کا پابند نہ تھا مگر پرلے درجے کا خوش دار بھی تھا۔ وہ اپنے فن میں باکمال تھا، اس کی حذاقت مسلم تھی۔ وہ طبیب ہی نہ تھا حکیم بھی تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ وقت پر وہ کام کر جاتا جو بڑے بڑے حاذق طبیب اور ڈاکٹر نہیں کرسکتے تھے۔ وہ غریبوں کا غم خوار اور دوستوں کا ہمدرد تھا۔ افسوس کہ حیدر آباد

ایک ایسی ذات سے خالی ہوگیا جس کی نظیر اب نہیں ہے۔ لوگ اسے بہت یاد کریں گے۔ احباب کے جلسے اس کے بغیر سونے ہوں گے۔ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھا۔ اور سب سے زیادہ اس کے غریب دوست اس کا ماتم کریں گے —

گدڑی کا لال - نورخاں

(ہم شکریہ اور احسان کے سچے جذبات کے ساتھہ جناب مولوی صاحب قبلہ کا یہ مضمون شائع کررہے ہیں ' موصوف نے ہماری فرمائش پر اپنے ایک غریب لیکن سچے دوست کے حالات زندگی لکھہ کر ہمیں عنایت فرمائے ہیں - سیرت نگاری اور انشاپردازی کا ایک بہترین نمونہ ہونے کی حیثیت سے یہ مضمون ہمارے طلبہ اور ملک کے اہل قلم کے لئے سبق آموز ہوگا - ایڈیٹر)

لوگ بادشاہوں اور امیروں کے قصیدے اور مرثئے لکھتے ہیں - نامور اور مشہور لوگوں کے حالات قلم بند کرتے ہیں - میں ایک غریب سپاہی کا حال لکھتا ہوں ' اس خیال سے کہ شاید کوئی پڑھے اور سمجھے کہ دولتمندوں' امیروں اور بڑے لوگوں ہی کے حالات لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لئے سبق آموز ہو سکتی ہے - انسان کا

بہترین مطالعہ انسان ہے اور انسان ہونے میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہے —

پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی ایک شان ہے

نور خاں مرحوم کنٹنجنٹ کے اول رسالے میں سپاہی سے بھرتی ہوے - انگریزی افواج میں حیدرآباد کی کنٹنجنٹ خاص حیثیت اور امتیاز رکھتی تھی - ہر شخص اس میں بھرتی نہیں ہو سکتا تھا' بہت دیکھ بھال ہوتی تھی ' بعض اوقات نسب نامے تک دیکھے جاتے تھے تب کہیں جاکر ملازمت ملتی تھی - کوشش یہ ہوتی تھی کہ صرف شرفا اس میں بھرتی کئے جائیں - یہی وجہ تھی کہ کنٹنجنٹ والے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ' لیکن بعد میں یہ قید بھی اٹھہ گئی اور اس میں اور انگریزوں کی دوسری فوجوں میں کوئی فرق نہ رہا - پہلے زمانے میں سپاہ گری بہت معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا ' اب اس میں اور دوسرے پیشوں میں کوئی فرق نہیں رہا - بات یہ ہے کہ اشرات کا سنبھالنا بہت مشکل کام ہے - اس میں ایک آن بان اور خود داری ہوتی ہے جو بہادری اور انسانیت کا اصل جوہر ہے - ہر کوئی اس کی قدر نہیں کرسکتا- اس لئے شریف روتا اور رذیل ہنستا ہے ' یہ جتنا پھیلتا ہے وہ تناہی سکڑتا ہے - کرنل نواب افسرالملک بہادر

بھی نور خاں مرحوم ہی کے رسالے کے ھیں - کنٹنجنٹ کے بہت سے لوگ اکثر تو کرنل صاحب موصوف کے توسط سے اور بعض اور ذرائع سے حیدرآباد ریاست میں آکر ملازم ہو گئے ھیں - ان میں بہت سے نواب، کرنیل، میجر، کپتان اور بڑے بڑے عہدہ دار ھیں - لیکن دیکھنا یہ ھے کہ کوئی نور خاں بھی ھے ؟

اول رسالے کے بعض لوگوں سے معلوم ھوا کہ خاں صاحب مرحوم فوج میں بھی بڑی آن بان سے رھے اور سچائی اور فرض شناسی میں مشہور تھے - یہ ڈرل انسٹرکٹر تھے یعنے گوروں کو جو نئے بھرتی ھو کر آتے تھے ڈرل سکھاتے تھے - اس لئے اکثر گورے افسر ان سے واقف تھے - وہ بڑے شہسوار تھے - گھوڑے کو خوب پہچانتے تھے، بڑے بڑے سرکش گھوڑے جو پٹھے پر ھاتھ نہ دھرنے دیتے تھے، انھوں نے درست کئے - گھوڑے کے سدھانے اور پھیرنے میں انہیں کمال تھا - چونکہ بدن کے چھریرے اور ھلکے پھلکے تھے گھڑ دوڑوں میں گھوڑے دوڑاتے تھے اور اکثر شرطیں جیتتے تھے ان کے افسر ان کی مستعدی، خوش تدبیری اور سلیقے سے بہت خوش تھے لیکن کھرے پن سے وہ اکثر اوقات ناراض ھو جاتے تھے - ایک دفعہ کا ذکر ھے کہ ان کے کمانڈنگ افسر نے کسی بات پر خفا ھو کر

جیسا کہ انگریزوں کا عام قاعدہ ہے انھیں ڈیم کہہ دیا - یہ تو گالی تھی ' خاں صاحب کسی کی ترچھی نظر کے بھی روا دار نہ تھے - انھوں نے فوراً رپورٹ کردی - لوگوں نے چاہا کہ معاملہ رفع دفع ہوجائے اور آگے نہ بڑھے ' مگر خاں صاحب نے ایک نہ سنی ' معاملے نے طول کھینچا اور جنرل صاحب کو لکھا گیا - کمانڈنگ افسر کا کورٹ مارشل ہوا اور اُس سے کہا گیا کہ خاں صاحب سے معافی مانگے - ہر چند اس نے بچنا چاہا مگر پیش نہ گئی اور مجبوراً اُسے معافی مانگنی پڑی - ایسی خود داری اور نازک مزاجی پر ترقی کی توقع رکھنا عبث ہے - نتیجہ یہ ہوا کہ دفعداری سے آگے نہ بڑھے —

اچھے برے ہر قوم میں ہوتے ہیں - شریف افسر خاں صاحب کی سچائی ' دیانت اور جفاکشی کی بہت قدر کرتے تھے اور اُن کو اپنی اردلی میں رکھتے تھے - مگر بعض ایسے بھی تھے جن کے سر میں خناس سمایا ہوا تھا ' انھیں خاں صاحب کے یہ ڈھنگ پسند نہ تھے اور وہ ہمیشہ اُن کے نقصان کے درپے رہتے تھے - ایسے لوگ اپنی اور اپنی قوم والوں کی خود داری کو تو جوہر شرافت سمجھتے ہیں لیکن اگر یہی جوہر کسی دیسی میں ہوتا ہے تو اُسے غرور اور گستاخی پر محمول کرتے ہیں - تاہم اُن کے اکثر انگریز افسر اُن پر بہت مہربان تھے - خاص کر کرنل فرن ڈین اُن پر بڑی عنایت کرتے تھے اور

خاں صاحب پر اس قدر اعتماد تھا کہ شاید کسی اور پر ہو۔ جب کرنل صاحب نے اپنی خدمت سے استعفا دیا تو اپنا تمام مال و اسباب اور سامان جو ہزارہا روپے کا تھا خاں صاحب کے سپرد کرگئے۔ یہ امر انگریز افسروں کو بہت ناگوار ہوا۔ اُس وقت کے کمانڈنگ افسر سے نہ رہا گیا اور اس نے کرنل موصوف کو خط لکھا کہ آپ نے ہم پر اعتماد نہ کیا اور ایک دیسی دفعدار کو اپنا تمام قیمتی سامان حوالے کرگئے۔ اگر اپ یہ سامان ہمارے سپرد کرجاتے تو اُسے اچھے داموں میں فروخت کرکے قیمت آپ کے پاس بھیج دیتے۔ اب بھی اگر آپ لکھیں تو اس کا انتظام ہوسکتا ہے۔ کرنل نے جواب دیا کہ مجھے نور خاں پر تمام انگریز افسروں سے زیادہ اعتماد ہے آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر یہ لوگ اور برہم ہوے۔ ایک بار کمانڈنگ افسر یہ سامان دیکھنے آیا اور کہنے لگا کہ فلاں فلاں چیز مہم صاحب نے ہمارے ہاں سے منگائی تھی، چلتے وقت واپس کرنی بھول گئے اب تم یہ سب چیزیں ہمارے بنگلے پر بھیج دو۔ خاں صاحب نے کہا میں ایک چیز بھی نہیں دوں گا، آپ کرنل صاحب کو لکھئے وہ اگر مجھے لکھیں گے تو مجھے دینے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ وہ اس جواب پر بہت بگڑا اور کہنے لگا تم ہمیں جھوٹا سمجھتے ہو؟ خاں صاحب نے کہا

میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتا، یہ سامان میرے پاس امانت ہے اور میں کسی کو اس میں سے ایک تنکا بھی دینے کا مجاز نہیں۔ غرض وہ بڑبڑاتا ہوا کھسیانا ہوکر چلا گیا۔ خاں صاحب نے ایک انگریزی محرر سے اس سامان کی مکمل فہرست تیار کرائی اور کچھ تو خود خرید پر کچھ نیلام کے ذریعے بیچ کر ساری رقم کرنل صاحب کو بھیج دی —

نہ معلوم یہی کرنل تھا یا کوئی دوسرا افسر، جب ملازمت سے قطع تعلق کرکے جانے لگا تو اس نے ایک سونے کی گھڑی، ایک عمدہ بندوق اور پانسو روپے نقد خاں صاحب کو بطور انعام یا شکرانے کے دئے۔ خاں صاحب نے لینے سے انکار کیا، کرنل اور اس کی بیوی نے بہتیرا اصرار کیا مگر انھوں نے سوائے ایک بندوق کے دوسری کوئی چیز نہ لی اور باقی سب چیزیں واپس کردی —

کرنل استوارت بھی جو ہنگولی چھاؤنی کے افسر کمانڈنگ افسر تھے، ان پر بہت مہربان تھے۔ رسالے کے شریف انگریز ان سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے بعد انگریز افسر تم کو بہت نقصان پہنچائیں گے۔ وہ ان کی روش سے خوش نہ تھے اور خوش کیوں کر ہوتے، خوشامد سے انھیں چڑ تھی اور غلامانہ اطاعت آتی نہیں تھی۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ اپنے کرنل کے ہاں

کھڑے تھے کہ ایک انگریز افسر گھوڑے پر سوار آیا، گھوڑے سے اُتر کر اس نے خاں صاحب سے کہا کہ گھوڑا پکڑو۔ انھوں نے کہا میں سائیس نہیں ہوں۔ اس نے ایسا جواب کاہے کو سنا تھا، بہت چیں بجبیں ہوا مگر کیا کرتا، آخر باگ درخت کی ایک شاخ سے اٹکا کر اندر چلا گیا۔ اب نہ معلوم یہ خاں صاحب کی شرارت تھی یا اتفاق تھا کہ باگ شاخ میں سے نکل گئی اور گھوڑا بھاگ نکلا۔ اب جو صاحب باہر آئے تو گھوڑا ندارد۔ بہت جھنجلایا، بڑی مشکل سے تلاش کر کے پکڑوایا تو جگہ جگہ سے زخمی پایا۔ اس نے کرنل صاحب سے خاں صاحب کی بہت شکایت کی۔ معلوم نہیں کرنل نے اس انگریز کو کیا جواب دیا، لیکن وہ خاں صاحب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ تم نے خوب کیا —

خاں صاحب نے جب یہ رنگ دیکھا تو خیر اسی میں دیکھی کہ کسی طرح وظیفہ لے کر الگ ہو جائیں۔ وہ بیمار بن گئے اور ہسپتال میں رجوع ہوئے۔ کرنل استوارت نے ڈاکٹر سے کہہ کر ان کو مدد دی اور اس طرح وہ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر کی رپورٹ پر وظیفہ لے کر فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ سچ ہے انسان کی برائیاں ہی اس کی تباہی کا باعث نہیں ہوتیں بعض وقت

اس کی خوبیاں بھی اسے لے ڈوبتی ہیں —

کرنل اسٹوارٹ نے بہت چاہا کہ وہ مسٹر ہنکن ناظم پولیس سے سفارش کر کے انھیں ایک اچھا عہدہ دلادیں مگر خاں صاحب نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں اب اپنے وطن دولت‌آباد ہی میں رہنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ صوبے دار صاحب اورنگ‌آباد سے سفارش فرمادیں تو بہت اچھا ہو۔ کرنل صاحب بہت اصرار کرتے رہے کہ دیکھو تمھیں پولیس میں بہت اچھی خدمت مل جائے گی انکار نہ کرو مگر یہ نہ مانے۔ آخر مجبور ہو کر نواب مقتدر جنگ بہادر صوبے دار صوبۂ اورنگ‌آباد سے سفارش کی۔ صوبے دار صاحب کی عنایت سے وہ قلعۂ دولت آباد کی جمعیت کے جمعدار ہو گئے اور بہت خوش تھے —

نواب مقتدر جنگ کے بعد نواب بشیر نواز جنگ اورنگ آباد کی صوبے داری پر آئے۔ وہ بھی خاں صاحب پر بہت مہربان تھے۔ اُسی زمانے میں لارڈ کرزن وائسرائے دولت آباد تشریف لائے۔ خاں صاحب نے سلامی دینے کی تیاری کی۔ کئی توپیں ساتھ ساتھ رکھ کر سلامی دینی شروع کی۔ لارڈ کرزن گھڑی نکال کر دیکھ رہے تھے۔ جب سلامی ختم ہوئی تو نواب صاحب سے خاں صاحب کی تعریف کی۔ سلامی ایسے قاعدے اور انداز سے دی کہ ایک سیکنڈ کا فرق نہ ہونے پایا۔ نواب صاحب نے

اس کا تذکرہ خاں صاحب سے کیا اور کہا کہ میاں اب تمہاری خیر نہیں معلوم ہوتی —

لارڈ کرزن جب قلعہ کے اوپر بالا حصار پر گئے تو وہاں سستانے کے لئے کرسی پر بیٹھ گئے اور جیب سے سگرٹ دان نکال کر سگرٹ پینا چاہا - دیا سلائی نکال کر سگرٹ سلگایا ہی تھا کہ یہ فوجی سلام کر کے آگے بڑھے اور کہا کہ یہاں سگرٹ پینے کی اجازت نہیں ہے - لارڈ کرزن نے جلتا ہوا - سگرٹ نیچے پھینک دیا اور جوتے سے رگڑ ڈالا - یہ حرکت دیکھ کر نواب بشیر نواز جنگ بہادر اور دوسرے عہدہ داروں کا رنگ فق ہو گیا - مگر موقع ایسا تھا کہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے ' لہو کے سے گھونٹ پی کر چپ رہ گئے - بعد میں بہت کچھ لے دے کی مگر اب کیا ہو سکتا تھا - خاں صاحب نے قاعدے کی پوری پابندی کی تھی ' اس میں چوں و چرا کی کنجائش نہ تھی —

اب اسے اتفاق کہئے یا خاں صاحب کی تقدیر کہ لارڈ کرزن نے جانے کے بعد ہی فنانس کی معتمدی کے لئے مسٹر واکر کا انتخاب کیا - ریاست کے مالیے کی حالت اس زمانے میں بہت خراب تھی - مسٹر واکر نے اصلاحیں شروع کیں - اس لپیٹ میں قلعۂ دولت آباد بھی آ گیا

اوروں کے ساتھہ خاں صاحب بھی تخفیف میں آگئے —

دولت آباد میں ان کی کچھہ زمین تھی، اس میں باغ لگانا شروع کردیا - مسٹر واکر دورے پر دولت آباد آئے تو ایک روز ٹہلتے ٹہلتے ان کے باغ میں بھی آ پہنچے - خاں صاحب بیٹھے گھاس کھورپ رہے تھے - مسٹر واکر کو آتے دیکھا تو اُٹھہ کر سلام کیا - پوچھا کیا حال ہے - کہنے لگے آپ کی جان و مال کو دعا دیتا ہوں، اب آپ کی بدولت گھاس کھودنے کی نوبت آگئی ہے - مسٹر واکر نے کہا یہ تو بہت اچھا کام ہے - دیکھو تمہارے درخت انجیروں سے کیسے لدے ہوے ہیں ایک ایک آنے کو بھی ایک ایک انجیر بیچو تو کتنی آمدنی ہو جاے گی - خاں صاحب گھبراے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کم بخت انجیروں پر بھی ٹیکس لگادے ترت سے جواب دیا کہ آپ نے انجیر لدے ہوے تو دیکھہ لئے اور یہ نہ دیکھا کہ کتنے سڑ گل کر گر جاتے ہیں، کتنے آندھی ہوا سے گر پڑتے ہیں، کتنے پرندے کھا جاتے ہیں اور پھر ہماری دن رات کی محنت - مسٹر واکر مسکراتے ہوے چلے گئے —

اسی زمانے میں ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب اورنگ آباد کے صدر مہتمم تعلیمات ہو کر آتے -

ڈاکٹر صاحب بلا کے مردم شناس ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اور چند ہی باتوں میں آدمی کو ایسا پرکھ لیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ پھر جیسا وہ آدمی کو سمجھتے ہیں ویسا ہی نکلتا ہے، کبھی خطا ہوتے نہیں دیکھی۔ ڈاکٹر صاحب ایسے قابل جوہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ فوراً ہی اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ ڈاکٹر صاحب کا برتاؤ ان سے بہت شریفانہ اور دوستانہ تھا۔ نواب برزور جنگ اس زمانے میں صوبے دار تھے۔ مقبرہ کا باغ ان کی نگرانی میں تھا، ڈاکٹر صاحب نے سفارش کر کے باغ سے پانچ روپے ماہانہ الونس مقرر کر دیا—

نواب برزور جنگ کے پاس ایک گھوڑا تھا وہ اسے بیچنا چاہتے تھے کلب میں کہیں اس کا ذکر آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا مجھے گھوڑے کی ضرورت ہے میں اُسے خرید لوں گا مگر پہلے نور خاں کو دکھا لوں۔ وہاں سے آکر ڈاکٹر صاحب نے خاں صاحب سے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ بھئی اس گھوڑے کو دیکھ آؤ کوئی عیب تو نہیں۔ خاں صاحب نے کہا آپ نے غضب کیا کہ میرا نام لے دیا۔ گھوڑے میں کوئی عیب ہوا تو میں چھپاؤں گا نہیں اور صوبے دار صاحب مفت میں مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا تم خواہ مخواہ وہم

کرتے ہو کل جا کے ضرور گھوڑا دیکھ لو - خاں صاحب گئے - گھوڑا نسل کا تو اچھا تھا مگر پانچوں شرعی عیب موجود تھے - انہوں نے صاف صاف آ کے کہہ دیا اور ڈاکٹر صاحب نے خرید نے سے انکار کر دیا - صوبے دار صاحب آگ بگولا ہو گئے - دوسرے روز مقہرہ میں اے باغ کا رجسٹر منگایا - اور نور خاں کے نام پر اس زور سے قلم کھینچا کہ اگر حرفوں اور لفظوں میں جان ہوتی تو وہ بلبلا اٹھتے - ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا تو بہت افسوس ہوا مگر انہوں نے اس کی تلافی کر دی - یہ سن کر صوبے دار صاحب اور بھی جھنجھلا گئے —

ڈاکٹر صاحب ترقی پا کر حیدر آباد چلے گئے - ان کی خدمت کا دوسرا انتظام ہو گیا - کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب ناظم تعلیمات ہو گئے اور میں ان کی عنایت سے صدر مہتمم تعلیمات ہو کر اورنگ آباد آیا - ڈاکٹر صاحب ہی نے مجھے نور خاں سے ملایا اور ان کی سفارش کی - ڈاکٹر صاحب نے انہیں عارضی طور پر دولت آباد میں مدرس کر دیا تھا میں نے عارضی طور پر اپنے دفتر میں محرر کر دیا - وہ مدرسی اور محرری تو کیا کرتے مگر بہت سے مدرسوں اور محرروں سے زیادہ کار آمد تھے - ڈاکٹر صاحب نے جب باغ کی نگرانی میرے حوالے کی

تو خاں صاحب کا الونس بھی جاری ہو گیا —

اعلیٰ حضرت واقدس بعد تخت نشینی اورنگ آباد رونق افروز ہوے تو یہاں کی خوش آب و ہوا کو بہت پسند فرمایا اور ایک عظیم‌الشان باغ لگانے کا حکم دیا۔ یہ کام ڈاکٹر صاحب کے سپرد ہوا اور ان سے بہتر کوئی یہ کام کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی مہربانی سے آخر اس باغ کے عملے میں خاں صاحب کو بھی ایک اچھی سی جگہہ مل گئی جو ان کی طبیعت کے مناسب تھی اور آخر دم تک وہ اسی خدمت پر رہے اور جب تک دم میں دم رہا اپنے کام کو بڑی محنت اور دیانت سے کرتے رہے —

یوں محنت سے کام تو اور بھی کرتے ہیں لیکن خاں صاحب میں بعض ایسی خوبیاں تھیں جو بڑے بڑے لوگوں میں بھی نہیں ہوتیں۔ سچائی، بات کی اور معاملے کی، اُن کی سرشت میں تھی۔ خواہ جان پر ہی کیوں نہ بن جائے وہ سچ کہنے سے کبھی نہیں چوکتے تھے۔ اسی میں انھیں نقصان بھی اٹھانے پڑے مگر وہ سچائی کی خاطر سب کچھہ گوارا کر لیتے تھے۔ مستعد ایسے تھے کہ اچھے اچھے جوان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ دن ہو، رات ہو ہر وقت کام کرنے کے لئے تیار۔ اکثر دولت‌آباد

سے پیدل آتے جاتے تھے - کسی کام کو کہیئے تو ایسی خوشی خوشی کرتے تھے کہ کوئی اپنا کام بھی اس قدر خوشی سے نہ کرتا ہوگا - دوستی کے بڑے پکے اور بڑے وضعدار تھے - چونکہ ادنیٰ اعلیٰ سب ان کی عزت کرتے تھے اس لئے اُن سے غریب دوستوں کے بہت سے کام نکلتے تھے - ان کا گھر مہمان سرائے تھا - اورنگ آباد کے آنے جانے والے کھانے کے وقت بے تکلف اُن کے گھر پہنچ جاتے اور وہ اُن سے بہت خوش ہوتے تھے - بعض لوگ جو مسافر بنگلے میں آکر ٹھیر جاتے تھے اُن کی بھی دعوت کر دیتے تھے - بعض اوقات ٹولیوں کی ٹولیاں پہنچ جاتی تھیں اور وہ اُن کی دعوتیں بڑی فیاضی سے کرتے تھے - اس قدر قلیل معاش ہونے پر ان کی یہ مہمان نوازی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی - ان کی بیوی بھی ایسی نیک بخت تھی کہ دفعتاً مہمانوں کے پہنچ جانے سے کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوتی بلکہ خوشی خوشی کام کرتی اور کھلاتی تھی - خود دار ایسے تھے کہ کسی کے ایک پیسے کے روادار نہ ہوتے تھے - ڈاکٹر سراج الحسن ہر چند طرح طرح سے اُن کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے تھے مگر وہ ٹال جاتے تھے - مجھ سے انھیں خاص انس تھا میں کوئی چیز دیتا تو کبھی انکار نہ کرتے بلکہ کبھی کبھی خود فرمائش کرتے

تھے - متھاس کے بیحد شائق تھے - ان کا قول تھا کہ اگر کسی کو کھانے کو میتھا ملے تو نمکین کیوں کھائے - وہ کہا کرتے تھے کہ " نمکین کھانا مجبوری سے کھاتا ہوں ' مجھ میں اگر استطاعت ہو تو ہمیشہ متھاس ہی کھایا کروں اور نمکین کو ہاتھ نہ لگاؤں " انھیں متھاس کھاتے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی - اکثر جیب میں گڑ رکھتے تھے - ایک بار میرے ساتھ دعوت میں گئے قسم قسم کے تکلف کے کھانے تھے ' خاں صاحب نے چھوتتے ہی میتھے پر ہاتھ ڈالا - ایک صاحب جو دعوت میں شریک تھے یہ خیال کر کے کہ خاں صاحب کو دھوکا ہوا ہے کہنے لگے کہ " حضرت یہ میتھا ہے " مگر انھوں نے کچھ پروا نہ کی اور برابر کھاتے رہے - جب وہ ختم ہو گیا تو دوسرے میتھے پر ہاتھ بڑھایا - اُن صاحب نے پھر ٹوکا کہ حضرت یہ میتھا ہے اُنھوں نے کچھ جواب نہ دیا اور اسے بھی ختم کر ڈالا - جب کبھی وہ کسی دوست کے ہاں جاتے تو وہ انھیں ضرور میتھا کھلاتے اور یہ خوش ہو کر کھاتے —

خاں صاحب بہت زندہ دل تھے ' چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی ' جسے دیکھ کر خوشی ہوتی تھی - وہ بچوں میں بچے ' جوانوں میں جواں اور بوڑھوں میں بوڑھے تھے - غم اور فکر کو پاس نہ آنے دیتے تھے اور ہمیشہ خوش

رهتے تھے اور دوسروں کو بھی خوش رکھتے تھے - ان سے ملنے اور باتیں کرنے سے غم غلط ہوتا تھا - آخر دم تک ان کی زندہ دلی ویسی ہی رہی —

ڈاکٹر سراج الحسن صاحب جب کبھی اورنگ آباد آتے تو اسٹیشن سے اترتے ہی اپنا روپیہ پیسہ سب ان کے حوالے کردیتے اور سب خرچ انھیں کے ہاتھہ سے ہوتا تھا - جانے سے ایک روز قبل وہ حساب لے کر بیٹھتے ' بعض وقت جب بدہ نہ ملتی تو آدھی آدھی رات تک لئے بیٹھے رہتے ' ہر چند ڈاکٹر صاحب کہتے کہ خاں صاحب یہ تم کیا کرتے ہو ا جو خرچ ہوا ہوا باقی جو بچا وہ دیدو یا زیادہ خرچ ہوا ہو تو لے لو - مگر وہ کہاں مانتے تھے جب تک حساب ٹھیک نہ بیٹھتا انھیں اطمینان نہ ہوتا - چلتے وقت کہتے کہ لیجئے صاحب یہ آپ کا حساب ہے اتنا خرچ ہوا اور اتنا بچا - یا کچھہ زیادہ خرچ ہو جاتا تو کہتے کہ اتنے پیسے ہمارے خرچ ہوئے یہ ہمیں دلوائیے - کبھی ایسا ہوا کہ انھیں کچھہ شبہہ ہوا تو جانے کے بعد پھر حساب لے کے بیٹھتے اور خط لکھہ کر بھیجتے کہ اتنے آنے آپ کے رہ گئے تھے وہ بھیجے جاتے ہیں یا اتنے پیسے میرے زیادہ خرچ ہو گئے تھے وہ بھیج دیجیئے گا - ڈاکٹر صاحب ان باتوں پر بہت جھنجلاتے تھے مگر وہ اپنی وضع نہ چھوڑتے تھے —

وہ حساب کے کھرے، بات کے کھرے اور دل کے کھرے تھے۔ وہ مہر و وفا کے پتلے اور زندہ دلی کی تصویر تھے۔ ایسے نیک نفس، ہمدرد، مرنج و مرنجاں اور وضعدار لوگ کہاں ہوتے ہیں۔ ان کے بڑھاپے پر جوانوں کو رشک آتا تھا اور اُن کی مستعدی کو دیکھ کر دل میں اُمنگ پیدا ہوتی تھی۔ ان کی زندگی بے لوث تھی اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کام میں صرف ہوتا تھا۔ مجھے وہ اکثر یاد آتے ہیں اور یہی حال ان کے دوسرے جاننے والوں اور دوستوں کا ہے۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ کیسا اچھا آدمی تھا۔ قومیں ایسے ہی لوگوں سے بنتی ہیں۔ کاش ہم میں بہت سے نور خاں ہوتے!

———§*§———

مولوی عبدالحق صاحب بحیثیت معتمد انجمن ترقیء اُردو

از

(جناب مولوی سید غلام ربانی صاحب مددگار عثمانیہ کالج اورنگ آباد)

قدرت کی فیاضی بے پایاں ہے اور بعض معاملات میں تو اس کی دریا دلی اسراف کی حد کو پہنچ گئی ہے - لیکن علم و عمل کی تقسیم میں بڑی احتیاط کیا بلکہ بخل سے کام لیا گیا ہے - اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے ارباب علم و فضل، جن کی تصانیف علمی دنیا میں سند کا حکم رکھتی ہیں، اپنے گھر کا انتظام نہیں کرسکتے اور بہت سے نا تعلیم یافتہ لوگ انتظامی امور میں اس درجہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ بعض اوقات عظیم الشان سلطنتوں تک کا انتظام کر جاتے ہیں- شاید قدرت نے اس میں - یہ مصلحت رکھی ہے کہ اس کے اسرار زیادہ مدت تک اسرار بنے رہیں

ورنہ اگر علم کے ساتھہ عمل بھی انسان کو دیا جاتا تو شاید ہماری یہ حیرت انگیز بیسویں صدی آج طلسمی تیسویں صدی ہوتی —

علمی فضیلت کےساتہ عملی صلاحیت رکھنے والے حضرات دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں - انہی نفوس قدسیہ کی برکت ہے کہ ہماری دنیا آج اسقدر خوبصورت بنی ہوئی ہے- یہ بزرگ انسان کی شکل میں خدا کی رحمت ہوتے ہیں- بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس نعمت کو پاتے ہیں — انجمن ترقی اردو بھی بڑی خوش قسمت ہے کہ اس کو ایک ایسا معتمد نصیب ہوگیا جس کی ذات میں علم و عمل کا وہ سنگھم ہے جس کی آبیاری سے انجمن کی خشک اور مرجھائی ہوئی کھیتی یکایک لہلہانے لگی اور اب اس کی سرسبزی و شادابی دلوں میں کھبی جاتی ہے-

جو حضرات انجمن ترقی اردو کی سرگزشت سے واقف ہیں کچھہ وہی خوب جانتے ہیں کہ اس کا بچپن کن مصائب اور مشکلات سے گزرا ہے- مالک کے لایق سے لایق حضرات نے اس کی پرداخت اور نگرانی کا ذمہ لیا، مگر حالات نے مساعدت نہ کی، اور کونا گوں مجبوریوں کی وجہ سے ان بزرگوں کو اس سے دست کش ہونا پڑا — خود آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے، جس کے

بطن سے یہ بچہ پیدا ہوا تھا ' اپنا سایہ اس کے سر سے اٹھا لیا ' غرض کہ یہ لاوارث بچہ مدتوں زمانے کی ٹھوکروں میں پڑا پھرتا رہا ' آخرکار ایک اللہ کے بندے نے اس کو اپنی گود میں اٹھا لیا ' اور اس اللہ آمیں سے پالنا شروع کیا ' جیسے کوئی صاحب اولاد اپنے اکلوتے بچہ کو پالتا ہے - پورے سولہ سال کی پرورش اور دیکھ بھال کے بعد اب اس کی وہ صورت نکلی ہے کہ دیکھے سے نظر لگتی ہے —

انجمن ترقی اردو آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا علمی شعبہ تھا ' یہ شعبہ جنوری سنہ ۱۹۰۳ کو بمقام دہلی کانفرنس مذکور کے غیرمعمولی اجلاس میں قائم ہوا اور شمس العلما مولانا شبلی اس کے تاحیات سکرٹری قرار پائے - اس شعبے کی خوش قسمتی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے ' کہ اسے مولانا مرحوم جیسا سکرٹری ملا ' آپ نے بڑی سرگرمی اور خوش اسلوبی سے اس فرض کو انجام دیا مگر افسوس کہ حالات نے موافقت نہ کی اور آپ نے بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا - مولانا شبلی کے بعد یہ کام مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کے تفویض ہوا ' آپ ملک کے بلند پایہ عالم اور انشاپرداز ہیں ' اور آپ کی ذات سے بہت کچھ توقعات تھیں مگر انہی مجبوریوں کی وجہ سے ' جو مولانا مرحوم کو پیش آئی تھیں

آپ نے بھی دست کشی اختیار کی - یہ زمانہ اس شعبہ پر بہت سخت گزرا ہے - بجاے ترقی کے انحطاط شروع ہوگیا تھا —

ایسی حالت میں یہ خدمت مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم کے سپرد کی گئی - یہ انتخاب بہت ہی موزوں ہوا تھا - مولوی صاحب مرحوم نے بڑی مستعدی سے اس کام کو شروع کیا تھا - اور آپ کی کوششوں سے اس شعبہ کے مردہ قالب میں جان پڑنے کی توقع تھی لیکن ابھی اس شعبہ کے دن نہیں پھرے تھے کہ مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا - ان کے بعد کچھ مدت تک یہ شعبہ کس سپرسی کی حالت میں پڑا رہا اور بظاہر کوئی صورت اس کے زندہ رہنے کی نہ رہی —

اس وقت اس شعبہ کو قائم ہوے دس سال ہو چکے تھے - لیکن ملک میں انجمن ترقی اردو کے متعلق جو توقعات قائم ہوئی تھیں یا جن مقاصد کی بناء پر انجمن وجود میں آئی تھی، ان میں سے ایک بھی پورا نہیں ہوا تھا - خود اس شعبہ کی جان کے لالے پڑے ہوے تھے کہ اس خدمت کے لئے جناب مولوی عبدالحق صاحب

مد ظلہ العالی کا انتخاب ہوا ۔ ہمارا خیال ہے کہ جناب معز کو ان کوناگوں مجبوریوں اور دقتوں کا بخوبی علم تھا جو آپ کے پیشروؤں کو پیش آئی تھیں ۔ مگر آپ نے ہمت کر کے جائزہ لے ہی لیا ۔ کہنے کو تو جائزہ لے لیا لیکن غالباً اکثر حضرات اس جائزہ کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں ۔ یہ ایک پرانا صندوق تھا جو شکستہ ہونے کی وجہ سے رسی سے کسا ہوا تھا ' اس میں ایک رجسٹر تھا اور ایک قلم دوات ۔ یہ تھی کل کائنات انجمن ترقی اردو کی ' جو اس نے اپنے معتمد چہارم کے حوالہ کی ۔ ایک رجسٹر اور قلم دوات کو ہاتھ میں لے کر ہندوستان جیسے ملک میں کسی علمی کام کے لئے کھڑا ہو نا آپ ہی کا کام تھا ۔ آپ کے اس وقت کے خیالات کا اندازہ کچھہ آپ ہی کے الفاظ سے بھلا معلوم ہوگا —

* " میں نے بہت ڈرتے ڈرتے اس بار گراں کو اپنے ذمہ لیا ' کیونکہ جس قدر یہ کام ضروری ہے اسی قدر مشکل بھی ہے ۔ اردو زبان میں علوم و فنون لانے کے لئے ایسے اصحاب کی ضرورت ہے جو علوم مشرقی و مغربی دونوں میں

---

* رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت سنہ ۱۹۱۳ ع صفحہ ۳ —

ماہر ہوں ' اور ایسے لوگ ہماری قوم میں
شاذ و نادر ہیں - دوسری مشکل اس کام میں
کافی سرمایہ بہم پہنچانے کی ہے ' یہ کام
اس قدر بڑا ' اس قدر وسیع اور ایسا اہم
ہے کہ جب تک ہزاروں نہیں لاکھوں کا
سرمایہ نہ ہو ' اس کا خاطر خواہ چلانا ممکن
نہیں ' تاہم چند مہینوں میں اپنی بساط کے
موافق جو کوشش اس بارے میں میں نے
کی ہے - اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ
اگر اس شعبہ کا کام استقلال اور ہمدردی سے
چلایا جاے تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں
ہے اور کچھہ تعجب نہیں کہ چند سال کے بعد
کانفرس کا یہ شعبہ سب سے زیادہ مفید اور
کامیاب ثابت ہو " —

آپ کی دور بین نگاہ نے دیکھہ لیا تھا کہ انجمن ترقی اردو کیا چیز ہے ' ممکن ہے کہ آج سے سولہ سال پیشتر آپ کا آخری جملہ ایک خوش آیند قیاس سمجھا گیا ہو لیکن ہمارے نزدیک یہ آپ کی خود اعتمادی تھی - اب جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ کی یہ پیشین گوئی کس حد تک صحیح ثابت ہوی —

انجمن ترقی اردو کا کام سنبھالتے ہی سب سے پہلے آپ نے فراہمی سرمایہ کی فکر کی - اس وقت انجمن کے ارکان تین قسم کے تھے (۱) سرپرست، امرا و روساءملک جو انجمن کو یک مشت ایک ہزار روپیہ عطا فرمائیں (۲) ارکان مدامی، جو یک مشت پانسو روپیہ عنایت فرمائیں (۳) ارکان شوریٰ، وہ نامور ارباب قلم و صاحبان علم و فن، جن کی خدمت میں انجمن کی طرف سے کوئی کتاب بغرض اظہار رائے یا دیگر امور متعلقہ انجمن مشورتاً پیش کئے جائیں اور وہ اس پر اظہار رائے اور مفید مشورہ دینے کی تکلیف گوارا فرمائیں - سرپرست اور ارکان مدامی کی فہرست میں اس وقت تک کوئی نام نامی درج نہیں ہوا تھا البتہ ارکان شوریٰ کی فہرست اچھی خاصی طویل تھی - اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علمی کاموں میں صلاح و مشورہ روپے سے کم قیمت نہیں رکھتا مگر روپیہ پھر روپیہ ہے - چنانچہ آپ نے ایک قسم ارکان معمولی کی اضافہ کی جن کے لئے لازم تھا کہ وہ ایک روپیہ ماہانہ یا بارہ روپیہ سالانہ عنایت کریں اس کے لئے آپ نے سب سے پہلے اورنگ‌آباد میں کوشش کی اور اپنے احباب کو رکن بنایا - اس زمانہ میں آپ صدر مہتممی تعلیمات میں صوبہ اورنگ آباد کی خدمت پر مامور تھے

جب آپ دورہ پر تشریف لے جاتے تو وہاں بھی انجمن سے غافل نہ رہتے - اضلاع اور تعلقات میں ارکان اعانت بہم پہنچاتے اور کچھ عطیات بھی وصول کر لیتے تھے - غرض کہ پہلے ہی سال ۳۴ رکن بنائے اور پربھنی (حیدرآباد) میں انجمن کی ایک شاخ اور کتب خانہ قایم کیا —

دوسرا بڑا کام ' جو آپ نے اسی سال انجام دیا ' نواب عمادالملک بہادر مرحوم کو انجمن کا پریسیڈنٹ بنانا تھا - نواب صاحب مرحوم کا نام انجمن ترقی اردو کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا - آپ کی ذات سے انجمن کو بہت فائدہ پہنچا —

ادھر تو انجمن کے لئے یہ کوششیں ہورہی تھیں اور اس طرف آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کے ساتھ بے رحمی اور بے اعتنائی برتنی شروع کی ' حتیٰ کہ اس کے رہے سہے حقوق بھی ضبط کرلئے - کانفرنس سے یہ قرار داد ہوئی تھی کہ وہ اپنے اس علمی شعبہ کو پانسو روپے سالانہ کی امداد دیا کرے گی ' لیکن دوسرے ہی سال سے یہ امداد بند کر دی گئی - ممکن ہے کہ اس وقت کانفرنس کی حالت سقیم ہو لیکن ایسی بھی کیا سقیم تھی کہ وہ پانسو نہیں تو اس کے آدھے چوتھائی کچھ رقم بھی نہیں دے سکتی تھی - اس زمانہ میں انجمن کے لئے ایک ایک روپیہ ایک ایک اشرفی کے برابر تھا لیکن افسوس کے

ساتھہ لکھنا پڑتا ھے کہ کانفرنس نے ایسی سرد مہری اختیار کی کہ پھر انجمن کا نام نہیں لیا —

استقلال اور ھمدردی کی ھمیشہ فتح ھوئی ھے ' جن معاملات میں خلوص اور ایثار سے کام لیا جاتا ھے وہ اکثر و بیشتر روبراہ ھوتے ھیں - پختہ ارادوں کے آگے مشکل سے مشکل کام ھمت ھار دیتے ھیں - جناب مولوی عبدالحق صاحب نے اس زمانہ میں ایسی سرگرمی اور مستعدی سے کام کیا کہ دو سال بعد یعنی سنہ ۱۹۱۵ ع میں ارکان اعانت کی تعداد ۷۳ تک پہنچ گئی اور ساتھہ ھی کچھہ کتابیں بھی شائع ھوگئیں - آپ کے اثر سے ملک کے مشہور اخبارات میں انجمن کی حمایت میں پر زور مضامین نکلنے شروع ھوے - ارکان شوریٰ یا دیگر حضرات سے انجمن کے بارہ میں جو مراسلت ھوئی تھی ' وہ آپ خود فرماتے تھے - آپ نے انجمن کے آگے نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات ' حتیٰ کہ علالت میں بھی انجمن کے کاموں سے دریغ نہیں فرماتے تھے - زبان اُردو سے آپ کو کس درجہ محبت ھے ؟ اس کا جواب یہ ھے کہ دفتر انجمن ترقی اُردو کے رجسٹر مجاریہ میں آپ کے ھاتھہ کا مجاریہ تک موجود ھے ' یہ تھا وہ خلوص کہ انجمن دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگی آخر وہ وقت آگیا کہ آپ کی مساعی جمیلہ بروے کار آئیں ' یعنی انجمن

کے ابواب آمدنی میں دو مستقل اور عظیم الشان مدوں کا اضافہ ہوا۔ ابتدا میں نواب عماد الملک بہادر کی تحریک پر بارہ سو روپے سالانہ منظور ہوئے اور اعلیٰ حضرت اقدس نے از راہ علم پروری سر پرستی قبول فرمائی۔ سنہ ۱۹۱۶ ع کو انجمن ہمیشہ یاد رکھے گی جب کہ مسٹر (اب سر) اکبر حیدری (نواب حیدر نواز جنگ بہادر) کی مساعی سے اعلیٰ حضرت و اقدس حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے از راہ مراحم خسروانہ انجمن کے لئے مستقلاً پانچ ہزار روپے سالانہ کی امداد مرحمت فرمائی اور اس طرح خسرو دکن کی سرپرستی اور شاہانہ امداد نے انجمن کی بنیاد چٹان پر رکھ دی۔ اسی سال علیا حضرت مرحومہ فرمان روائے بھوپال نے پچاس روپے ماہانہ کی مستقل امداد عطا فرمائی جس سے انجمن کو بڑی تقویت ہوگئی۔

ابتدائے قیام انجمن سے یہ پہلا وقت تھا کہ جناب مولوی صاحب نے شبانہ روز کی محنتوں کے بعد ایک اطمینان کا سانس لیا۔ اب انجمن کی مالی حالت اس قابل ہوگئی تھی کہ اس کے علمی اور عملی کام زیادہ شاندار اور نمایاں ہونے لگے۔ ارکان اعانت کی تعداد ۹۴ تک پہنچ گئی اور کلکتہ، جالنہ اور بمبئی میں انجمن کی شاخیں اور کتب خانے قائم ہوے۔ یہ شاخیں

اس وقت گو کسی حالت میں ہوں مگر ان کا قیام یہ ثابت کرتا ہے کہ لوگوں کو انجمن سے ہمدردی پیدا ہوگئی تھی، اور وہ اس کے مقاصد کو مفید خیال کرنے لگے تھے۔ مطبوعات انجمن کی تعداد ۱۶۵ تک پہنچ گئی جن میں دریائے لطافت، مشاہیر یونان و روما، تاریخ تمدن، اور فلسفہ تعلیم جیسی نادر اور معرکۃ الآرا کتابیں شامل تھیں اور اس طرح انجمن کی مستقل جائداد پیدا ہونے لگی —

ارکان اعانت، جس کی تجویز آپ ہی کے فکر کا نتیجہ تھی، انجمن کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئے، اور یہ مسئلہ انجمن کی مجلس شوریٰ میں پیش ہوا کہ کثرت سے ارکان اعانت بنانے کے لئے کون سے ذرائع و وسائل اختیار کئے جائیں، چنانچہ کامل غور اور بحث کے بعد یہ طے پایا کہ ارکان اعانت کا سالانہ چندہ بجائے بارہ روپے کے چھ روپے کر دیا جائے اور ان کو دوران رکنیت میں انجمن کی مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں۔ اس کا منشا یہ تھا کہ لوگ کثرت سے رکن بن سکیں اور انجمن کے مقاصد اور مطبوعات کی اشاعت میں آسانی ہو۔ یہ تغیر بہت معقول اور درست تھا چنانچہ دو ہی سال میں ان کی تعداد ۳۲۳ تک پہنچ گئی —

اسی سال (دسمبر سنہ ۱۹۱۶ ع) انجمن ترقی اردو کا ایک عام جلسہ لکھنؤ میں منعقد ہوا، اس کے صدر نواب نصیر حسین خاں صاحب 'خیال' رئیس پٹنہ تھے۔ اس جلسہ میں ہندوستان بھر کے علما و فضلا، اکابر قوم، شعرا، ادبا، مشائخ اور روساء عظام تک شریک تھے جو لکھنؤ جیسے شہر کے شایان شان تھے۔ اس کے اجلاس بھی دو ہوے۔ بہت سی مفید تجاویز و تحریکات پیش ہوئیں اور بڑی جرح و قدح کے بعد منظور یا نامنظور ہوئیں لیکن اس جلسے کی تمام روداد کو پڑھ کر ہمیں معاً قیصر باغ کے ایک قدیم مشاعرہ کا خیال آگیا جس کی غزلوں میں سراپا کا لحاظ رکھا گیا تھا—

انجمن ترقی اردو کو اس جلسہ سے جو مالی یا کسی اور قسم کا فائدہ پہنچا وہ صرف یہ تھا کہ اس کا اشتہار ہو گیا۔ اس جلسہ کے شرکاء میں یورپ کے مشہور عالم اور مستشرق مسٹر مارگولیتھ بھی تھے، معلوم نہیں انھوں نے ہمارے علمی جلسوں کے بارہ میں کیا راے قائم کی ہوگی—

چار سال کی لگاتار اور ان تھک کوششوں کے بعد آپ نے انجمن کو اس قابل بنا دیا کہ اس کے کام اہل نظر کو دکھائی دینے لگے۔ اس دوران میں آپ نے

زبان اردو کی حمایت میں جو پر زور اور پر تاثیر مضامین لکھے ہیں، ان کے لفظ لفظ سے آپ کے دل کا درد ٹپکا پڑتا ہے۔ ارکان اعانت کے اضافہ کی اپیل میں لکھتے ہیں :—

* "اس میں شک نہیں کہ اس میں کچھہ میری ہمت کا بھی قصور ہے، لیکن وہ بھی بری الذمہ نہیں ہو سکتے جو اردو زبان کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ایسی حالت میں جب کہ ہمیں بنی بنائی زبان ملی ہے، جب کہ اس میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت موجود ہے، جب کہ اس کی جولانیاں ہندوستان کے حدود سے نکل کر دور دور پہنچ گئی ہیں، اس کے لئے کچھہ نہ کرنا اور اسے اس رتبہ تک نہ پہنچانا، جس کی وہ مستحق ہے، ہماری کوتاہی کی دلیل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ زبان مرنے والی نہیں ہے لیکن ایسی زندگی بھی کیا زندگی کہ ہر ایک چیز میں دوسروں کی محتاجی ہو۔ اس احتیاج اور

---

* رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت سنہ ۱۹۱۵ ع صفحہ ۱۴ —

افلاس کو مٹانے کی تدبیر سب سے زیادہ مقدم ہے...-

ایک مقام پر اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دئے جانے کی حمایت میں تحریر فرماتے ہیں —

* " ایک مدت کے تجربے اور خسارے کے بعد اب ہم صحیح راستے پر آئے ہیں - ملک میں علم کی اشاعت کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے - دنیا بھر میں شاید یہی ایک ایسا بدنصیب ملک ہے جو علم کو غیر زبان کے ذریعہ سے سکھاتا ہے - اس کے معنی یہی نہیں ہیں کہ علم نہیں آتا بلکہ دماغ کو خراب کرنا ' بدذوقی و بداخلاقی کو پھیلانا ' فطری جدت وجودت کو کچلنا اور دانستہ اپنی زبان کو مٹانا ہے —

یہ درد بھری آوازیں ہوا کی لہروں میں غائب نہیں ہوگئیں' بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سنہ ۱۹۱۷ ع میں شیدائیان اردو کی تعداد ۲۰۰ ہوگئی - اب تک ارکان مدامی کی فہرست میں کوئی اسم گرامی درج نہیں ہوا تھا ' اس سال ۱۱ بہی خواہان اردو نے اس معزز رکنیت کو قبول فرمایا ' جن کی رقوم چندہ سو دوسو روپے سے لے کر پانسو تک تھیں —

انجمن ابتدا سے اس فکر میں تھی کہ اصطلاحات علمیہ کا

---

* رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت سنہ ۱۹۱۶ صفحہ ۱۴

ایک لغت تیار کرے کیونکہ اس کے بغیر اردو دوسری علمی زبانوں کی کنونکتی تھی ، اس سال یہ دیرنیہ آرزو بھی دولت آصفیہ کی فیاضی اور علم پروری کی بدولت پوری ہوگئی، اور سرکار نظام نے تین سال تک تین ہزار روپے کی امداد منظور فرمائی - اس طرح یہ عظیم الشان کام بھی شروع ہوگیا —

مطبوعات انجمن میں اس سال چار اور نئی قابل قدر کتابوں کا اضافہ ہوا ، یہ فہرست ہر سال حسینوں کی زلف کی طرح طویل ہوتی جاتی تھی ، لیکن اس میں ایک یہ بڑی کسر تھی کہ مطبوعات کی فروخت خاطر خواہ نہیں ہوتی تھی۔ اس امر پر خاص طور سے توجہ کی گئی اور مختلف صاحبان اخبار اور تاجران کتب سے معاملہ طے کر کے ہندوستان کے سترہ شہروں میں بیس ایجنسیاں قائم کی گئیں ، چنانچہ اس وقت سے فروخت کتب میں نمایاں ترقی ہونے لگی —

یوں تو انجمن کی شہرت اس وقت ملک میں کافی طور سے ہوچکی تھی لیکن پھر بھی عام طور سے ہر تعلیم یافتہ ابھی اس سے روشناس نہیں ہوا تھا ، دوسرے انجمن کے اغراض و مقاصد میں یہ بات ابتدا سے شامل تھی کہ ہندوستان کے جن اضلاع میں اردو زبان کا رواج نہیں ھے

یا کم ہے، ان میں اردو زبان کے رواج دینے کی کوشش کی جاے۔ چنانچہ اس سال (سنہ ۱۹۱۸ م) اس کام کے لئے آپ نے ایک نہایت ہی موزوں اور لایق سفیر کا انتخاب کیا، یہ بزرگ حاجی مظہر علیم صاحب انصاری مرحوم تھے۔ حاجی صاحب مرحوم بڑی خوبیوں اور کام کے آدمی تھے، بالخصوص سفارت کے کام میں مرحوم کو قدرتی ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے کئی سال تک بہار، بنگال، صوبجات متوسط، مالوہ، راجپوتانہ، میواڑ، گجرات اور کاٹھیاواڑ کا دورہ کیا۔ جس شہر میں پہنچتے، انجمن کے نام کا نقارہ اس زور سے بجاتے کہ خاص و عام سب چونک پڑتے اور آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔ آپ کے ذریعہ سے ارکان کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا، اور ان دور افتادہ حطوں میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا شہر ایسا نہیں رہا، جہاں انجمن کی شاخ اور کتب خانہ قائم نہ ہوگیا ہو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ یہ شاخیں اور کتب خانے خواہ کسی نوعیت کے ہوں مگر انجمن کے ایک بڑے مقصد کو پورا کرنے میں ضرور مدد دیتے ہیں۔ ہماری ناچیز راے میں انجمن کو اب بھی ایسے سفیر کی ضرورت ہے۔ ہر چند کہ سفیر کے اخراجات سفر اور تنخواہ پر ایک بڑی رقم صرف ہوگی مگر اس کام میں پڑنے کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ اگر سفیر

کے اخراجات اور آمدنی برابر بھی رہے تو بھی انجمن کا فائدہ ہے —

سنہ ۱۹۱۹ م میں ارکان اعانت کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا یعنی ان کی تعداد ۳۳۴ ہوگئی- اسی طرح ارکان مدامی کی لڑی میں بھی ۳۴ دانے نظر آنے لگے انجمن کی شاخیں اور کتب خانے بھی ۳۷ ہوگئے —

اب انجمن کا اعتماد اور اس کی وقعت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب کی بعض کتابیں ترجمہ کے لئے انجمن کے تفویض کی گئیں- کتابوں کی اشاعت اور ان کی فروخت کا کام بھی خاطر خواہ طریقہ پر ہورہا تھا- ملک میں مطبوعات انجمن مقبول ہونے لگیں اور بعض کتابیں جو ابھی دو تین سال پہلے طبع ہوئی تھیں ختم ہوگئیں- چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ م میں فلسفہ تعلیم، علم المعیشت، انتخاب کلام میر، اور فلسفۂ جذبات دوسری بار طبع ہوئیں- اب تک ملک میں قصے کہانیوں کی کتابیں زیادہ پڑھی جاتی تھیں، فلسفہ اور معاشیات جیسے ٹھوس مضامین کی کتابوں کا اول تو ہماری زبان میں وجود ہی کب تھا جو پڑھی جاتیں اور اگر ہوتیں بھی تو شاید ہمارے ناولوں کے آگے ان کی پوچھ بھی نہ ہوتی- انجمن کی کتابیں اس وقت تک دوبار اور بعض تین تین چار چار مرتبہ

چھپ چکی ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کتابیں اچھی ہوں تو وہ اپنے پڑھنے والے بھی پیدا کرھی لیتی ہیں - انجمن ترقی اردو کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس نے ملک میں علمی کتب کے مطالعہ کا شوق پیدا کیا اور اہل ملک کے ذوق کو سنوارا —

ہمارے ملک کی اردو کتابوں کی اشاعت میں یہ بڑا عیب تھا کہ کاغذ اور طباعت کے نقائص کے علاوہ عموماً غیر مجلد شایع ہوتی تھیں اور بعض اوقات تو ان کے اوراق بھی کترے ہوے نہیں ہوتے تھے - انجمن نے اسی سال سے یہ تہیہ کرلیا کہ اس کی کتابیں بازار میں بے سنورے نہ جانے پائیں چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ سے تمام مطبوعات مجلد شائع ہونے لگیں اور پھر جلدیں بھی ایسی دیدہ زیب کہ ناخواندہ بھی دیکھ کر خوش ہوجاے - انجمن کی یہ بدعت ملک میں پسند کی گئی اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال بعض مطابع کی خاص خاص کتابیں مجلد شایع ہوتی ہیں —

انجمن کے مقاصد میں یہ بھی ابتدا سے داخل تھا کہ سرمایہ مساعدت کرے تو اس کی طرف سے رسالہ جاری کیا جاے - اب انجمن کی حالت میں استحکام پیدا ہوگیا تھا اور سرمایہ بھی اس قدر ہوگیا تھا کہ انجمن اپنے ارمان ایک

ایک کر کے پورے کررہی تھی - سنہ ۱۹۲۱ع انجمن کے لئے بہت ہی مبارک سال تھا کہ جنوری کے پہلے ہفتے میں اس کی یہ تمنا بھی پوری ہوگئی اور آپ ہی کی ادارت میں رسالہ اردو بڑی آن بان کے ساتھ جاری ہوا —

جو حضرات "اردو" کا مطالعہ فرماتے رہے ہیں انھیں خوب معلوم ہے کہ یہ کس پایہ کا رسالہ ہے اور اس کے مضامین کس قدر تحقیق اور کاوش سے لکھے جاتے ہیں - یہ رسالہ مثل دیگر رسالوں کے نشکول نہیں ہے جن میں ہر قسم کے مضامین درج کردئے جاتے ہیں - اس میں زیادہ تر زبان و ادب کی بحث ہوتی ہے - اردو زبان و ادب پر مولوی عبدالحق صاحب کی وسعت نظر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ابھی یہ رسالہ جاری نہیں ہوا تھا کہ ایک روز ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحید الدین صاحب سلیم مرحوم اور آپ رسالے کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے - خاکسار راقم اس وقت موجود تھا - مولوی سلیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ "صاحب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ اس کے موضوع کو اس قدر محدود اور تنگ کیوں کیے دیتے ہیں زبان و ادب پر بہت تھوڑے ہی مضامین لکھے جاسکتے ہیں - نتیجہ یہ ہوگا کہ چند نمبروں کے بعد یہ موضوع ختم ہو جائے گا اور آپ کو مضامین نہیں ملیں گے" - آپ نے فرمایا

" نہیں صاحب! یہ موضوع اس قدر وسیع ہے کہ کبھی ختم نہ ہوگا اور ہم اس رسالے کے ذریعہ سے نئے نئے مضامین سجھائیں گے - مرحوم کے تبحر علمی اور کمال ادب میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے اور پھر زبان اردو ان کا اوڑھنا بچھونا تھی مگر اس وقت انھوں نے اس امر کو تسلیم نہیں کیا - اب رسالہ اردو نے دسویں سال میں قدم رکھا ہے اور اسی شان سے جاری ہے جس کی اس سے توقع تھی —

اب انجمن کا کام اس قدر پھیل گیا تھا اور اس کی آمدنی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ انجمن کم و بیش بیس ہزار سالانہ خرچ کررہی تھی اگر چہ آج تک کوئی ایسا موقعہ پیش نہیں آیا ہے کہ کسی نے انجمن کے آمد و خرچ پر حرف گیری کی ہو - حالانکہ علمی کاموں کے لئے بیس ہزار کوئی مال نہیں ہے لیکن دیانت داری کا یہ تقاضا ہوا کہ سب سے پہلے آپ ہی نے انجمن کے حسابات کو شبہ کی نظر سے دیکھا اور ناظم صاحب انجمن ہائے اتحادی ممالک محروسہ حیدرآباد سے درخواست کر کے اس امر کا انتظام کردیا کہ وہ ہر سال اپنے کسی افسر تنقیح کو انجمن کے دفتر میں بھیج کر جملہ حسابات کی جانچ پڑتال کریں - آپ کی یہ درخواست منظور ہوئی اور اس وقت سے محکمۂ مذکور کی طرف سے انجمن کے حسابات کی

تنقیح ہوتی ہے جس کی رپوٹ انجمن کی سالانہ رپوٹ میں درج ہوتی ہے۔ یہ تنقیحی رپورٹیں ایسی اطمینان بخش ہوتی ہیں جن سے آپ کا خلوص اور بے لوث کام آئینہ ہوجاتا ہے —

ہمارے ملک میں خدا کے فضل سے بہت سے قومی ادارات اور انجمنیں قائم ہوئیں اور اب تک ہیں، لیکن بعض اوقات ہم نے ان کی بد نظمیوں کے بارے میں کیا کچھہ نہیں سنا، اور یہاں یہ حالت ہے کہ جب کبھی انجمن کو ہزار دو ہزار یا اس سے بڑی رقم کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ اپنی ذاتی ضروریات کو روک کر اپنے پاس سے ادا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انجمن کے گوشوارہ جمع و خرچ میں قرض کی بھی ایک مستقل مد سی ہو گئی ہے —

سنہ ۲۲ و ۲۳ میں چند نئی کتابیں طبع ہوئیں اور بعض کے دوسرے ایڈیشن تیار ہوے۔ اس زمانہ میں انجمن نے بڑے پھیلاؤ کے کام شروع کر دیئے تھے، یعنی لغت اصطلاحات علمیہ، مصطلحات اہل حرفہ، لغت زبان اردو اور انگریزی اردو لغت زیر تالیف و ترجمہ تھیں۔ ان میں سے اصطلاحات علمیہ تو شایع ہوچکی ہے لیکن باقی تین لغات کا کام جاری ہے اور بہت کچھہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ آپ کئی سال سے سالانہ رپورٹوں میں

اس کام کی دقت طلبی اور اہمیت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات کی اس سے تسکین نہ ہوتی ہو لیکن ہم ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ اب تک جتنی دردسری اور زحمت آپ نے اس کام میں اٹھائی ہے، اس میں شاید ایک دوسری انجمن ترقی اردو بنا کر کھڑی کر دیتے —

اب ارکان دائمی کی تعداد ۸۰ تک پہنچ چکی تھی اور اتنی ہی شاخیں اور کتب خانے قائم ہو گئے تھے، اس دوران میں انجمن ہر سال اپنی حیثیت کے موافق ایک معقول رقم کی کتابیں ان کتب خانوں کو فراہم کرتی رہی —

ابتداءً چند سال تک انجمن آپ ہی کے مکان میں رہی اور وہ زمانہ ایسا تھا کہ آپ سے جدا بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے بعد جب اس کا کام پھیلنے لگا تو چند سال تک کرایہ کے مکانوں میں رہی لیکن آخر کار وہ دن آ گیا کہ اس نگہری کو گھر ملا اور انجمن اپنے مکان "اردو باغ" میں داخل ہوئی۔ کوئی اس وقت آپ کی مسرت دیکھتا، اس تقریب میں آپ نے اورنگ آباد کے عہدہ داران، وکلا، اساتذہ، ارکان انجمن اور دیگر حضرات کو عصرانہ کی دعوت دی اور نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر

نے اس کا افتتاح فرمایا - نواب صاحب ممدوح ہمیشہ سے انجمن سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتے ہیں اور آپ کی ذات سے انجمن کو بہت فائدہ پہنچا ہے —

سنہ ۲۴ و ۲۵ میں چھ کتابیں شایع ہوئیں ' ان میں فرہنگ اصطلاحات علمیہ بھی تھی - باقی تینوں لغتوں کا کام برابر جاری رہا - انگریزی اردو لغت (آکسفورڈ کن سائز ڈکشنری) کے لئے حیدر آباد میں مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ کے زیر اہتمام خاص طور پر ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو اس کی نظر ثانی کر رہی ہے - مولوی سید ہاشمی صاحب انجمن کے کام کو اپنا کام سمجھتے ہیں - آپ نے شروع ہی میں ایک کتاب تاریخ یونان قدیم بڑی محنت سے لکھ کر انجمن کے نذر کی - رسالہ اُردو کے صفحات آپ کی پاکیزہ نظم و نثر سے سیراب ہوتے رہے ہیں - ہمارے ملک کے ادبی رسالوں میں نظم کا درجہ بہت گرا ہوا ہے ' آپ نے رسالہ اردو کی نظم کا معیار بلند کرنے کے لئے مولانا شرر مرحوم کی یادگار میں سو روپے سالانہ کا انعام مقرر کیا —

اسی زمانہ میں مجلس نظماے انجمن بھی قائم ہوئی اس مجلس کے قیام کی غرض یہ تھی کہ وہ انجمن ترقی اردو کے مقاصد کی ترقی و اشاعت کے ذرائع پر غور کرے

اور انھیں عمل میں لانے کی تدابیر اختیار کرے۔ انجمن کے مداخل و مخارج کی نگرانی رکھے اور انجمن کے علمی و ادبی کاموں میں مشورہ دے —

اکثر حضرات انجمن کی مطبوعات کے علاوہ دوسری کتابوں کی فرمائشیں بھی بھیجتے رہتے تھے اور ان کے مہیا کرنے پر اصرار کرتے تھے، اس لئے سنہ ۱۹۲۴ ع سے انجمن نے کتابوں کی ایجنسی کا کام بھی شروع کردیا اور اس طرح فروخت کتب میں اور بھی ترقی ہونے لگی۔

ارکان شوریٰ نے انجمن کے مقاصد کو عمل میں لانے کے لئے بہت سی تدابیر قرار دی تھیں، لیکن ہمیں تعجب ہے کہ پریس کا نام کہیں نہیں آیا، حالانکہ انجمن کا اشتہار، اس کے مقاصد کی اشاعت سالانہ رپورٹ اور کتابوں کی طباعت، فروخت مطبوعات اور رسالہ کا اجرا یہ وہ کام ہیں جن کے لئے پریس ناگزیر ہے۔ اب تک یہ کام الناظر پریس لکھنؤ، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ اور نظامی پریس بدایوں میں ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اول تو کسی دوسرے مطبع سے حسب دلخواہ اور وقت پر کام ملنا مشکل ہے، دوسرے بعض چھوٹے چھوٹے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی ضرورت فوراً ہی ہوتی ہے، اس کے علاوہ ان دور دراز مقامات سے

کتابیں وغیرہ منگوانے میں انجمن پر مفت کا بار پڑتا تھا اور سب سے بڑی غرض انجمن کی یہ تھی کہ اس کی کتابیں اور رسالہ ٹائپ میں چھپا کریں اور اس طرح لوگوں کو ٹائپ سے مانوس کرایا جاے ' چنانچہ سنہ ۱۹۲۴ع میں اردو باغ میں ٹائپ کا پریس قائم ہوا —

آج کل ہمارے ملک میں کیا بلکہ شاید تمام دنیا میں صرف اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جس کی کتابیں لیتھو میں چھپتی ہیں' ٹائپ کے نام سے اکثر حضرات ناک بھوں چڑھاتے ہیں - ہمیں یاد ہے کہ دسمبر سنہ ۱۹۱۶ میں بمقام لکھنؤ انجمن کے جلسہ عام میں ایک تجویز ٹائپ کے رواج دئے جانے کی بھی پیش ہوئی تھی' مگر اس کی مخالفت ہوئی اور بالاخر یہ مفید تجویز ملتوی رکھی گئی - اس سے پیشتر فخر قوم جناب مولانا محمد علی صاحب نے ہمدرد کے لئے زر کثیر صرف کر کے بیروت سے اعلی قسم کا ٹائپ منگوایا تھا مگر ملک میں مقبول نہیں ہوا ' اب انجمن نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اسی دن سے انجمن کی تمام کتابیں ؛ رسالے ' سالانہ رپورٹ اور سب چھوٹی موٹی تحریریں ٹائپ میں چھپتی ہیں - اردو پریس میں انجمن کی کتابوں کے علاوہ باہر کی دوسری کتابیں اور رسالے

بھی چھپتے ھیں، اس سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ طلسم بھی اب ٹوٹنے والا ھے اور وہ دن قریب آ رھا ھے کہ اردو زبان کو لیتھو کے جن سے جو اس کی ترقی کا راستہ روکے کھڑا ھے، ھمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی —

سنہ ۱۹۲۶ میں انجمن کے صدر نواب عمادالملک بہادر نے انتقال فرمایا، یہ قومی مصیبت تھی۔ آپ ایوان انجمن کے واقعی ستون تھے۔ اس کی صدارت قبول کرکے آپ نے گویا ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا تھا۔ کئی بار انجمن کو گرانقدر رقمیں عطا کیں اور ھمیشہ اپنے قیمتی مشوروں سے انجمن کو فائدہ پہنچاتے رھے۔ پیشگاہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی حضور پرنور خلدالله ملکه سے مستقل امداد منظور کرانے میں آپ نے بڑی سعی فرمائی۔ حقیقت یہ ھے کہ انجمن ترقی اردو کو جیسا معتمد مل گیا تھا ویسا ھی صدر بھی نصیب ھو گیا تھا۔ افسوس کہ جب انجمن کو فروغ ھوا اور اس کے دیکھنے کے دن آئے تو آپ اس کی بہار زیادہ عرصہ تک نہ دیکھ سکے۔ نواب صاحب مرحوم کی وفات سے نظماے انجمن کی صدارت خالی ھو گئی تو مجلس نظما نے اتفاق رائے سے عالیجناب نواب مسعود جنگ بہادر کو مجلس کا صدر منتخب فرمایا —

انجمن ترقی اردو در حقیقت بڑی خوش قسمت ہے کہ اس کو نواب مسعود جنگ بہادر نے اپنی سرپرستی میں لے لیا ہے۔ نواب صاحب ممدوح کو ابتدا سے انجمن سے ہمدردی رہی ہے اور آپ اس کے کاموں کی قدر فرماتے رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۷ ع میں جب کہ انجمن ترقی اردو اپنے ارتقائی مدارج طے کر رہی تھی، آپ نے سو ارکان اعانت مہیا فرمائے، فروخت مطبوعات میں جو یکا یک نمایاں تغیر پیدا ہو گیا تھا وہ بھی آپ ہی کی توجہ اور قدر دانی کا نتیجہ تھا۔ رسالہ اردو کی بہت سی کاپیاں اپنے محکمہ کے مختلف مدارس کے لئے خرید فرما کر انجمن کی ہمت افزائی فرمائی۔ آپ فرانسیسی زبان کے بھی ادیب ہیں، خطبات گارساں دی تاسی کا پاکیزہ ترجمہ، جو اردو کے مختلف نمبروں میں شایع ہوا ہے، آپ ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ انجمن کی ترقی کا خیال آپ کو اس درجہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۵ ع میں آپ نے جاپان تک سے اس کے لئے چندہ ارسال فرمایا اور اب جب سے کہ انجمن نے آپ کا دامن پکڑ لیا ہے، آپ نے اس کی جڑیں پاتال کو پہنچانی شروع کر دی ہیں۔ پچیس ہزار روپے سے اوپر اس کے لئے مد محفوظ میں جمع کرا دیا ہے اور آپ نے عزم فرما لیا ہے کہ اسی طرح ایک لاکھ کا

سرمایہ جمع فرما دیں۔ آپ کی نیک نفسی اور غیر معمولی سعی سے امید ہے کہ آپ ضرور اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گے —

سنہ ۱۹۲۷ ع میں پانچ کتابیں شایع ہوئیں، اس کے علاوہ لغتوں کا کام برابر جاری رہا۔ انگریزی اردو لغت کا ترجمہ مکمل ہو گیا اور اب اس کی نظر ثانی ہو رہی ہے۔ اس سال انجمن نے ممالک محروسہ سرکار عالی کے مدارس کے لئے ریڈریں بھی تیار کرانی شروع کیں اور اب وہ تقریباً سب مکمل ہو چکی ہیں۔ انجمن کا ارادہ ہے کہ انھیں خوش خط لکھوا کے بلاک کے ذریعہ طبع کرائے چنانچہ اس کا اہتمام ہو گیا ہے اور سب بہت جلد شایع ہو جائیں گی۔ ان ریڈروں کی اشاعت سے انجمن کا ایک پرانا مقصد پورا ہو جاے گا —

اسی سال ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر نے عالی جناب نواب مسعود جنگ بہادر کے توسط سے انجمن کو پانچ ہزار روپے کا گراں بہا عطیہ مرحمت فرمایا اور عالیجناب راجہ پرتاب گیر نرسنگھہ گیرجی بہادر نے ایک ہزار روپیہ سالانہ کی بیش بہا امداد منظور فرمائی، اور ابھی حال میں عالیجناب نواب سر سالار جنگ بہادر نے اپنے خاندان کی علم پروری اور معارف نوازی

کی روایات کے مد نظر انجمن کو دس ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ دیا ہے —

ارکان مدامی کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا، چنانچہ سنہ ۱۹۲۸ ع میں ان کی تعداد سو ہو گئی اور انجمن کی شاخیں اور کتب خانے بھی ۹۹ تک پہنچ گئے -

انجمن ترقی اردو کے مقاصد میں یہ بھی داخل تھا کہ قدیم کلام نظم و نثر کو ضایع ہونے سے بچایا جاے - چنانچہ جدید تالیفات و تصنیفات کے ساتھ ساتھ اس چیز کو خاص طور سے مد نظر رکھا گیا دریاے لطافت نکات الشعرا، مثنوی خواب و خیال، تذکرہ شعراے اردو (مولفہ میر حسن)، ذکر میر، مخزن نکات، چمنستان شعرا، تذکرہ شعراے اردو (مصحفی) اور سب رس وغیرہ وہ کتابیں ہیں جن کے نام ہی نام سنا کرتے تھے اور بعض کتابیں تو آپ نے ایسی کھود کھود کر نکالی ہیں کہ ان کے نام بھی نہیں سنے گئے حتی کہ ہمارے تذکرہ نگار بھی ان سے نا واقف تھے - حقیقت یہ ہے کہ آپ نے زبان اردو کی تاریخ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے —

کسی قدیم کرم خوردہ نسخہ کا چھپوانا بڑی دماغ پاشی اور پتہ ماری کا کام ہے، اور سب رس جیسی قدیم دکنی اردو کی کتابوں کا پڑھ لینا تو گویا قدیم کتبوں کا

پڑھنا ہے - آپ کو اس فن میں خاص مہارت حاصل ہے ' اور قدیم دکنی اردو کی کتابوں کی ترتیب کے ساتھ قدیم دکنی الفاظ کی فرہنگ بھی مرتب کی ہے - ہماری زبان کوئی بہت پرانی زبان نہیں ہے اور یہ بڑی شرمناک بات تھی کہ باوجود اس کم عمری کے اس کے ابتدائی دور کی کتابیں ناپید تھیں - انجمن ترقی اردو کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے زبان کے اس اخلاص کو دور کر دیا - اس کے علاوہ انجمن کے کتب خانے کے لئے اردو زبان کے قدیم قلمی نسخے نہایت تلاش و جستجو سے نیز مختلف مقامات کا سفر کر کے مہیا کئے - جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت جس قدر نایاب قدیم قلمی ذخیرہ یہاں موجود ہے دنیا میں کسی دوسری جگہ نہیں —

رسالہ اردو سے پہلے جس طرح ہماری زبان میں کوئی خالص ادبی رسالہ نہیں تھا اسی طرح ملک میں اب تک کوئی خالص علمی رسالہ بھی جاری نہیں ہوا تھا —

سنہ ۱۹۲۸ ع میں انجمن نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا - اردو زبان میں اول تو سائنس کی کتابیں ہی بہت کم ہیں ' دوسرے ماہرین علوم نے اصطلاحوں کا ایک ایسا قلعہ سا بنا رکھا ہے کہ ہر کس و ناکس کا علمی مسائل تک دخل پانا مشکل ہے - یورپ اور امریکہ میں آئے دن

جو اکتشافات اور ایجادیں ہوتی رہتی ہیں ' وہ ایسی نہیں ہیں کہ آدمی ان سے بے خبر بیٹھا رہے چنانچہ سائنس کے مسائل کو عام فہم زبان میں پیش کرنے کی غرض سے انجمن نے رسالہ سائنس جاری کیا ' ابھی اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی مگر انجمن اس کو مقبول بنانے کی پوری کوشش کر رہی ہے - ایک سال تک اس کی ترتیب کا کام ڈاکٹر مظفرالدین صاحب قریشی نے از راہ عنایت و ہمدردی انجام دیا ' سنہ ۱۹۲۹ ع سے مولوی محمود احمد خاں صاحب پروفیسر عثمانیہ کالج حیدرآباد اسے مرتب فرما رہے ہیں - مولوی صاحب موصوف انجمن کے پرانے بہی خواہ ہیں امید ہے کہ آپ کی کوششوں سے یہ رسالہ ضرور ترقی کرے گا —

انجمن ترقی اردو کی کہانی در اصل استقلال ' ہمدردی ' محنت ' خلوص اور ایثار کی کہانی ہے ' اس کے ہیرو کی پاک اور بے لوث زندگی قوم کے لئے ایک درس عمل ہے - اولوالعزمی کے لئے کوئی سدراہ نہیں - زبان اردو کی ترقی ہندوستان کی علمی ترقی ہے ' بہت مبارک ہیں وہ حضرات جو انجمن ترقی اردو کی مدد کرتے اور اس کے مقاصد سے ہمدردی رکھتے ہیں - انجمن کی کشتی اب

کھاڑیوں اور خلیجوں سے نکل کر بیچ سمندر میں پہنچ گئی ہے، اس کے ناخدا کی ہمت جوان اور ارادے بلند ہیں، ہوا موافق ہے اور خدا کا فضل شامل حال ہے تو کوئی دن میں بیڑہ پار ہے —

——§*§——

مولوي عبدالحق صاحب اور انتظام

از

(جناب مولوی سید ساجد علی صاحب بی اے، بی ٹی
مہتمم تعلیمات ضلع اورنگ آباد)

اورنگ آباد انٹر میڈیٹ کالج جہاں اور چیزوں کا ذمہ دار ہے وہاں یہ بھی اسی کی ایک جدت ہے کہ اس نے بے جان اشیاء کی تحلیل کے ساتھ ذي روح ہستیوں کی بھی تحلیلیں شروع کر دی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ سب سے پہلے جس ہستی پر ہاتھ صاف کیا جارہا ہے وہ اس کے بانی اور پرنسپل مولوی عبدالحق صاحب کی قابل احترام ہستی ہے۔ نہ معلوم خود مولوی صاحب اپنی اس تجزی اور اس مشق کو کس نظر سے دیکھیں گے۔ مگر اس کام کے مفید ہونے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ایک شخص کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہم اس کی قدر و قیمت کے اندازہ میں افراط اور تفریط سے بچ جاتے ہیں۔ ایک معتدل راے قائم کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔

دنیا میں عملاً ایسی ہی رائے مفید ہوتی ہے —

مولوی صاحب کے دوسرے پہلوؤں پر لکھنے کے لئے دوسرے اہل علم نے قلم اُٹھایا ہے۔ ایک کرم فرما نے نہ معلوم کیا سمجھ کر فرمائش کی کہ میں بھی کچھ لکھوں۔ میں نے بہت عذر و معذرت کی مگر ان کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ معذرت کی وجہ یہ تھی کہ ایسی ہستی کے کسی پہلو پر لکھنا مجھ جیسے معمولی قابلیت کے آدمی کا کام نہیں ہے، یہ اس کا کام ہے جو زیادہ نہیں تو مولوی صاحب کے برابر تو قابلیت اور علم رکھتا ہو، ان سے کافی عرصہ سے واقف ہو۔ اسے اکثر بحث اور گفتگو کا موقعہ ملا ہو۔ ظاہر ہے کہ مجھ میں ان میں کا کوئی وصف نہیں، البتہ ایک عرصہ تک مولوی صاحب کی ماتحتی کی ہے۔ اس زمانہ میں مولوی صاحب کی انتظامی قابلیت سے سابقہ پڑا ہے، یہی اس پہلو پر قلم اُٹھانے کی سند ہے —

یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس سرخی کو جو شخص دیکھے گا اضطراراً کہہ اُٹھے گا کہ "مولوی صاحب اور انتظام"! یہ انتظام کیا جانیں۔ یہ کتاب کے کیڑے ہیں، انھیں انتظامات کے بکھیڑوں سے کیا واسطہ؟" اور دو ایک نام گنوا کر بتلائے گا کہ "دیکھئے مولوی صاحب ایسے لوگوں کی تائید کرتے ہیں" —

یوں تو اِن اعتراضات کی تردید صرف اُن کاموں کے نام لے دینے سے ہوسکتی ہے جو مولوی صاحب نے کئے ہیں اور کر رہے ہیں، مثلاً صدارت مدرسہ آصفیہ، معتمدی انجمن ترقیٔ اردو۔ قیام جامعہ عثمانیہ۔ نظامت دارالترجمہ و تالیف، انٹر میڈیٹ کالج اورنگ آباد کی صدارت۔ قیام کالج تے۔ اشاعت رسالہ اُردو اور سائنس وغیرہ، مگر معترضین کے ذہن میں یقین پیدا کرنے کے لئے تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔ اس بحث سے ان نکتہ چینوں کی تشفی ہونا ممکن نہیں ہے جو انتظام کو خانہ داری کے ہم معنے سمجھتے ہیں —

(۱) انتظام کے کیا معنے ہیں؟ اس کے اجزاے ترکیبی کیا ہیں؟

(۲) منتظم میں کون کون سی قابلیتیں ہونی چاہئیں؟

(۳) کیا مولوی صاحب میں ان کے کاموں سے ان قابلیتوں کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے؟

(۱) انتظام کے معنے ایک مقصد مقررہ کےلئے آلات، اسباب و اشخاص کا فراہم کر لینا تاکہ وہ مقصد جلد از جلد کمترین صرفۂ زر و توانائی سے حاصل ہوجاے۔ اس تعریف کی تحلیل سے ظاہر ہوگا کہ انتظام کےاجزاے ترکیبی یہ ہیں (الف) آلات و اسباب (ب) اشخاص

(ج) ترتیب (د) کام کرنے اور لینے کی قابلیت —

(الف) آلات و اسباب کے متعلق اس امر پر غور کرنا پڑتا ہے کہ یہ حالات موجود الوقت وہ بہترین ہوں - یہ انتظام کا مادی پہلو ہے - عموماً اس کا انحصار مقدار زر، منتظم کی شخصیت اور اشیا شناسی پر ہوتا ہے - اور یہ سب وقتی حالات کے تابع ہیں - ایک شخص مکان تعمیر کرانا چاہتا ہے - اس کے پاس روپیہ ہے مگر نہ ذاتی اثر ہے اور نہ اشیاشناسی ہے ظاہر ہے کہ یہ شخص روپیہ بہت صرف کریگا - کیونکہ ہر بات میں دوسروں کا محتاج رہے گا - اور بہت ممکن ہے - کہ آلات واسباب خاطر خواہ نہ ہوں - کم درجہ اور ناقص ہوں - دوسرے کے پاس روپیہ بھی ہے اور اثر بھی ہے، مگر اشیاء سے واقفیت نہیں - یہ بھی اپنے کام میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے - بہترین انتظامات کے لئے ضرورت ہے کہ یہ تینوں امور موجود ہوں —

(ب) دوسرا جزو انتظام اشخاص ہیں - ان کی شناخت اور ان سے کام لینا آسان کام نہیں - ہر شخص ہر کام کے قابل نہیں ہوتا - نہ ایک شخص ہر وقت یکساں جوش و انہماک سے کام کرتا ہے - اور جب تک

اشخاص اپنی پوری ذہنی اخلاقی اور جسمانی قوت و قابلیت صرف نہ کریں اس وقت تک بہترین طور سے کوئی کام سر انجام نہیں پاسکتا - کامل صرف توجہ اور توانائی اسی وقت تک ممکن ہے جب اشخاص کو اپنے کام سے دلچسپی ہو - اور وہ منتظم کو صرف افسر نہ سمجھتے ہوں بلکہ اپنا ہمدرد اور خیر خواہ بھی سمجھتے ہوں - اسے ناراض کرنا کسی طرح گوارا نہ کریں' اگر جوش انتظام میں وہ سختی اور درشتی سے پیش آئے تو وہ ان کے لئے وجہ سعی مزید ہو' پست اور ناراض نہ کردے - بہ الفاظ دیگر منتظم میں یہ قابلیت ہو کہ وہ اپنے ماتحتین کا (Moral) قائم رکھے - یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ بعض قوی ارادہ ہستیاں بلا لحاظ جذبات ماتحتین تعمیل احکام چاہتی ہیں-ان کی یہ خواہش پوری بھی بظاہر ہو جاتی ہے مگر یہ تکمیل ضابطہ ہوتی ہے ' حقیقی اور مفید کام نہیں ہوتا ہے - یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص حکما کسی شخص کو اپنی پوری دلچسپی اور توانائی صرف کرنے کے لئے آمادہ کرے - حکم کا عمل زیادہ تر دماغ پر ہوتا ہے' قلب پر بہت کم ہوتا ہے -

یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب محکوم حاکم کو علاوہ افسر کے ہمدرد اور خیر خواہ بھی سمجھے - اور خود کو اس کا شریک کار تصور کرے —

(ج) تیسرا جز ترتیب کار ہے - اس میں تقسیم کار بہ لحاظ موزونیت آلات و اسباب اور قابلیت اشخاص، جزئی کاموں کی تقدیم و تاخیر - اور ان کا باہم تعلق و اتحاد شامل ہے - اگر تقسیم کار پر کافی غور نہ کیا جائے، فرائض ناموزوں اشخاص کے تفویض کردئے جائیں، تقدیم و تاخیر اجزا میں نامناسبت ہو تو کام خاطر خواہ انجام نہیں پاسکتا - یہاں یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اجزا کی ترتیب اہم کاموں میں ہوگی - ورنہ صدہا معمولی امور ایسے ہوتے ہیں جن کا تجربہ صرف کام کرنے والے کو دوران کار ہوتا ہے - چھوٹی چھوٹی باتوں کا احاطہ کسی بھی منتظم سے ممکن نہیں، خواہ وہ کتنا ہی حاضر و ناظر کیوں نہ ہو، یہ اکثر اتفاقاً پیدا ہوتی ہیں اور ان پر غلبہ وقت پر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے - اس کے لئے کام کرنے والوں کے دماغ بیدار اور پر ذرائع ہوں اور دست و پا چست و مستعد ہوں —

(د) چوتھا جز خود کام کرنے اور لینے کی قابلیت ہے۔ منتظم نہ صرف ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہے، بلکہ ماتحتین کو معلوم رہنا چاہئے کہ جس کام کو وہ دوسروں سے لے رہا ہے اس کے کرنے کی قابلیت اس میں بھی ہے۔ وہ افسر ہوکر عضو معطل نہیں ہوگیا ہے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب ایک افسر نے ماتحتین کے شریک کار ہوکر کسی کام میں ذرا سا بھی ہاتھ لگا دیا ہے تو ان میں بجلی سی دوڑ گئی ہے۔ وہ دگنی اور چوگنی صرف توانائی سے کام کرنے لگے ہیں —

کام کرنے سے زیادہ ضروری منتظم کے لئے کام لینے کی قابلیت ہے۔ کام کرنے کی قابلیت اکثر اشخاص میں ہوتی ہے مگر کام لینے کی اہلیت بہت کم ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر خداداد قابلیت ہے۔ کسب سے بہت کم آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دعویدار انتظام ایسی ایسی حماقتیں کرتے ہیں کہ ہنسی آتی ہے —

(۱) سب سے پہلے تو منتظم میں قابلیت ایجاد اختراع ہو۔ وہ مفید نظامات کو معرض وجود میں لاسکے۔ اور ان کے قیام میں جو دقتیں پیش آئیں ان پر غالب آنے

کے لئے مفید تجاویز سوچ سکے- اور ان کے اختیار کرنے میں ماتحتین کی رہنمائی کرسکے --

(۲) دوسرے وہ انسان ہو- احکام کی مشین نہ ہو- وہ خوب سمجھتا ہو کہ ماتحتی بڑی تکلیف دہ چیز ہے- اور ایک آدمی اس حیثیت کو بدرجہ مجبوری اختیار کرتا ہے- ماتحت کے جذبات اور حسیات کو سمجھتا ہو اور انہیں صدمہ پہنچانے کے بجائے اپنے مقصد کے حاصل کرنے میں معین بنا ہے- تیسرے جزا اور سزا میں احتیاط کرتا ہو- ہروقت تعزیرات ہند کو ہاتھ میں نہ ہلاتا ہو- اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ماتحت حوصلہ افزائی سے زیادہ کام کرتا ہے- سزا سے کند اور سست طبیعتیں بعض اوقات درست ہوجاتی ہیں- مگر عموماً یہ کارگر نہیں ہوتی ہے- حوصلہ افزائی صرف باتوں سے نہ ہونا چاہئیے' بلکہ حقیقی ہو- خالی وعدے بے کار ثابت ہوتے ہیں- اگر افسر کے دل میں واقعی سچا حوصلہ افزائی کا خیال ہے وہ ماتحتین پر غیر محسوس طور سے مفید اثر کرتا ہے --

(۴) چوتھے انصاف پسند ہو- یہ بڑا مفید وصف ہے- اس

سے ماتحتین مطمئن رہتے ہیں، یہ انصاف اخلاقی ہو۔ صرف قانونی اور ضابطہ کا نہ ہو، آخرالذکر انصاف بہت کم تشفی بخش ثابت ہوتا ہے اگر ایک شخص حقیقتاً انصاف کرنا چاہے اور اس میں کامیاب نہ ہو تو ماتحت کو ناگوار نہیں ہوتا ہے —

(۵) پانچویں جزی ہو۔ ماتحتین کے حقوق کی پاس داری میں جرأت اور ہمت سے کام لیتا ہو۔ دوسروں کے مقابلہ میں جائز طور سے اپنے ماتحتین کی طرفداری کرتا ہو۔ یہ اکثر تجربہ ہوا ہے کہ ایک افسر دوسرے سررشتہ کے افسروں کے مقابلہ میں بڑی بزدلی سے کام لیتا ہے اپنے افسر بالاتر کے سامنے جب اسے زجر و توبیخ ہوتی ہے تو اس کا بدلہ ماتحتین سے لیتا ہے۔ اس سے اس کا اعتبار نہیں رہتا —

(۱) اب دیکھا چاہئے کہ ان امور سے متعلق مولوی صاحب کے کام کیا ثبوت دیتے ہیں * فراہمی آلات و اسباب کیا کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ حالات موجودالوقت کے

---

* مولوی صاحب کے ہر ایک کام سے ہر عنوان کے تحت ثبوت پیش کرنے سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لئے جستہ جستہ حوالے دے جائیں گے —

لحاظ سے مولوی صاحب نے انجمن ترقی اردو کے لئے روپیہ جمع کرنے میں کس قدر محنت اور دلچسپی سے کام لیا - کل کام کس خوبی سے ہورہا ہے - ان کا شخصی اثر کیا ہے - مفید کتب کی فراہمی اور علم و فن کی اشاعت کس طرح ہورہی ہے - آخرالذکر امر کے لئے رسالہ اردو اور سائنس کا ذکر کافی ہے - "کالج ٹے" غالباً ہر شریک جلسہ کو یاد ہوگا - کس قدر اعلیٰ پیمانہ پر جملہ سامان مہیا کیا گیا تھا اور کس خوبی سے تمام انتظامات کئے گئے تھے - میری رائے تو یہ ہے کہ مولوی صاحب کی انتظامی قابلیت صرف ایک "کالج ٹے" کا انتظام منوا سکتا ہے - مہمانوں کا قیام - روشنی - اسٹیج - ڈرامائی نمائش - بہروپ - مضامین - نظمیں - ان سب کے انتظام کی خوبی سے انکار کرنے والا منکر حق ہی ہو سکتا ہے -

دوسرے مولوی صاحب کو جس خوبی سے اشخاص سے کام لینا آتا ہے شائد ہی کسی کو آتا ہو - لوگ ان کے گرویدہ ہوجاتے ہیں - یہ جو کام ان کے سپرد کرتے ہیں اس پر بلا توقع و انعام پل پڑتے ہیں - اپنی تمام قوت و توجہ صرف کر کے اسے انجام دیتے ہیں - مولوی صاحب کا غصہ اور ان

کی سختی بجائے پست کرنے کے سمند ناز پر تازیانہ ہوتی ہے۔ ان میں یہ بڑی خوبی ہے کہ انہیں کم کرنے والے بڑی آسانی سے مل جاتے ہیں۔ شوریدہ النفس کی شرارت اور کند طبیعت کا متھاپن سب ان کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ یہ خوب سمجھتے کہ شرارت صرف گمراہ توانائی' اور کند طبعی رکا ہوا پانی ہے۔ معترضین نہیں جانتے کہ گمراہ کو کیسے راہ پر لایا جاتا ہے اور جمود میں کیوں کر تحریک پیدا کی جاتی ہے۔ وہ شریر اور غبی کی ذہانت کو دیکھتے ہیں' ان سے کام لینے والے کو نہیں دیکھتے۔

مولوی صاحب اپنے کام کرنے والوں کا " morale "* ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اپنے مقصد سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ شریک کار کو یقین ہو جاتا ہے کہ جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ انسانیت کے لئے مفید ہے' ایک مرتبہ کالج تے میں آپ نے فرمایا تھا کہ " ہم اس کالج میں ایک خاندان کی طرح کام کرتے ہیں "

ترتیب کر۔ اس کا اندازہ Concise ڈکشنری کے ترجمے

---

*Morale پر انسائکلو پیڈیا بریٹانکا دیکھی جائے اس سے اندازہ ہوگا کہ برطانیہ عظمیٰ نے اس وصف اخلاقی کو قائم رکھنے کے لئے کیا کیا جتن کئے تھے۔

کے انتظام سے ہو سکتا ہے - یہ ایک نئی دریافت ہے - مولوی صاحب نے اس کے ترجمے کا انتظام کرلیا ہے، اس میں جس تقسیم و تفویض کار سے کام لیا ہے وہ مولوی صاحب کی انتظامی قابلیت کی کافی دلیل ہے - میں اس عنوان کے تحت دوسرے کاموں کا حوالہ فضول سمجھتا ہوں —

خود کام کرنا - اس کی توضیح و ثبوت غیر ضروری ہے - اگر یہ خود نہ کرتے تو یہ انجمن ترقی اردو کیسے چل سکتی تھی - دارالترجمہ اور عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام کیسے ہوتا - اورنگ آباد انٹرمیڈیٹ کالج کیونکر قائم ہوتا - اور درجنوں کتب ترجمہ - تالیف اور تصنیف کیسے ہوتی ہیں —

دوسروں سے کام لینا - اسکے متعلق کافی تفصیل اشخاص کے تحت دی جاچکی ہے - اب دیکھنا یہ ہے کہ مولوی صاحب میں قابلیت ایجاد و قیام - انسانیت - تمیز محل جزا و سزا - اور انصاف پسندی کسقدر ہے —

ایجاد و قیام کے شاہد تو عثمانیہ یونیورسٹی - دارالترجمہ اور رسالہ جات ہیں - انسانیت کی دلیل ماتحتین اور شرکاءکار کی گرویدگی ہے - مولوی صاحب سزا کس قدر دیتے ہیں اور حوصلہ افزائی کس حد تک کرتے ہیں اس کا ثبوت وہ ممنون

ہستیاں ہیں جو ان کی رجہ سے علمی اورمعاشرتی ترقیاں کر چکی ہیں۔ اور انصاف پسندی ان کار گزار لوگوں سے دریافت کی جاے جو اس وصف سے مستفید ہو چکے ہیں معترض اب بھی قائل نہ تو میں اسے وہی جواب دوں گا جو ایک مصنف نے اپنے نکتہ چیں کو دیا تھا کہ کاش میرا ناقد کوئی کتاب لکھتا ۔ کاش معترض کوئی انتظام کرتا —

مولوی عبدالحق صاحب کا مقصد زندگی

از

مولوی شیخ چاند صاحب بی اے - ال ال بی - سابق طالبعلم
اورنگ آباد کالج

میں مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ کو اس وقت سے جانتا ہوں جب میں اپنے وطن (پٹن ضلع اورنگ آباد) کے مدرسہ میں پہلی جماعت میں پڑھتا تھا' مولوی صاحب تعلیمات صوبہ اورنگ آباد کے صدر مہتمم تھے دورہ کی تقریب میں وہ پٹن سال میں کم از کم ایک بار ضرور تشریف لاتے تھے' ان کی آمد آمد سن کر مدرسین کی سرگرمیاں بڑھ جاتی تھیں' ہر شخص اپنی کارگزاری کے اظہار میں بے چین رہتا تھا' شہر کے باخبر لوگوں میں چرچے ہوتے تھے ہم پر ان چیزوں کا بڑا اثر ہوتا تھا' جب وہ آتے تو معلوم ہوتا کہ علم و فضل کا دیوتا آیا ہے' ہمارے دل احترام و عزت کے جذبات سے معمور ہو جاتے تھے' جیسے جیسے دن گزرنے لگے اور شعور بڑھتا گیا' مولوی صاحب

کی شخصیت کا صحیح علم ہوتا گیا ' مڈل پاس کرنے کے بعد میں اورنگ آباد کے مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ میں شریک ہوا ' یہاں مولوی صاحب کے متعلق زیادہ معلومات ہوئیں۔ ہمارے میٹرک کامیاب کرتے ہی اورنگ آباد کالج کا قیام عمل میں آیا ' ہم چند طالب علم تھے اور مولوی صاحب ' اس دوران میں مولوی صاحب کے متعلق زیادہ صحیح علم ہوا اور اس کے بعد سے مولوی صاحب سے زیادہ واسطہ رہا۔ کس قدر خوش نصیبی ہے کہ آج یونیورسٹی کی آخری جماعت میں زیر تعلیم ہوں ' اور مولوی صاحب کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرنے کی عزت حاصل ہے —

بچپن سے اس وقت تک کم و بیش ۱۵ سال کے عرصہ میں مولوی صاحب کے متعلق میری جو معلومات ہیں ' ان کے تفصیلی اظہار کی نہ گنجائش ہے اور نہ میرے لئے مناسب موقع۔ میں اپنے مسلسل مشاہدات کی بنیاد پر ایک ایسے نتیجے پر پہنچا ہوں ' جس سے مولوی صاحب کی زندگی کا مقصد معلوم ہو جاتا ہے ' میں اپنے مشاہدات کو یہاں فی الوقت اس لئے بیان نہیں کرتا کہ شائد وہ حسن عقیدت پر محمول کئے جائیں ' نتیجہ کی بنیاد میرے ذاتی مشاہدات پر ہے لیکن میں اس کی تصدیق ان مشاہدات سے ہٹ کر کرانا چاہتا ہوں —

مولوی صاحب ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے مکتب میں پائی، اعلیٰ تعلیم علی گڈھ کالج میں حاصل کی۔ سنہ ۱۸۹۴ ع میں بی۔ اے پاس کیا۔ مضامین فلسفہ و تاریخ تھے۔ علی گڈھ کالج کے قیام کے دوران میں آپ کا زیادہ وقت سر سید احمد خاں کے ساتھ گذرتا تھا۔ تعطیل میں عموماً سید صاحب آپ کو گھر جانے سے روک دیتے تھے، اور مختلف علمی کاموں میں مشغول رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پر سر سید کی آزاد خیالی اور روشن دماغی کا خاص اثر پڑا، آپ نے فلسفہ و تاریخ جیسے مضامین کی تعلیم انگریزی زبان میں حاصل کی تھی۔ اس زمانہ میں انگریزی سیکھنا شرافت کی نشانی تھی، اور حق بھی یہ ہے کہ اس زمانہ میں خصوصاً جو انگریزی سے ناواقف تھا اس کے لئے جدید علوم و فنون کے دروازے بند تھے۔ فطری قابلیت، تعلیم کے زور اور ماحول کے اثر سے آپ کے جوہر خوب کھلے۔ اس زمانہ میں آپ کا ماحول خصوصاً بہت انقلاب انگیز تھا، آپ نے اس فضا میں نشو و نما پائی تھی جس میں زندگی، جوش اور ولولہ تھا۔ ان لوگوں میں پل کر جوان ہوئے جن کے سامنے قوم کے معایب و محاسن بے نقاب تھے، اور جن کے ہاتھ

میں ملک اور قوم کی عنان تھی ' غدر کے بعد مسلمان سسک رہے تھے ان کو جس خضر نے چشمۂ آب حیات بتلایا ' اس کے ہاتھوں آپ نے حیات و جوش کا جام نوش کیا —

سر سید کے خم کدہ کے متوالے اٹھے اور اٹھ کر ملک و قوم کی خدمت کی خاطر طرح طرح کے منصوبے باندھنے لگے ' کسی نے میدان سیاست میں سمند ہانکا ' کوئی صحافت میں قدم زن ہوا اور کوئی شاعری کے سمندر میں ڈوب گیا ' لیکن آپ کے دل پر جس چیز نے شدت سے نقش کیا تھا وہ وہ راز ہے جو مولوی حالی کے ان دو جملوں میں بڑی خوبی سے ادا ہوا ہے :—

"اے زباں تو طاقت میں نمونۂ قدرت
الٰہی ہے ' دیکھہ اس طاقت کو رائگاں نہ کھو
اور اس قدرت کو خاک میں نہ ملا" —

زبان کو قوم کے بنانے اور سنوارنے میں جو قدرت حاصل ہے ' بہت کم قوتیں اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں یہی وہ رمز تھا جس کو مولوی صاحب خوب سمجھے ' وہ ملک کی عام زبان اردو کو ترقی اور وسعت دینے اور زیادہ عام بنانے کی ترکیب طالب علمی کے زمانہ ہی سے سوچتے تھے - یہ خیال انھوں نے بہت ابتدا میں کامل غور

و فکر کے بعد قائم کیا تھا۔ "مولوی عبدالحق صاحب ..... اردو کی ترقی کا حقیقی اور اعلیٰ خیال ... ایک مدت سے دل میں رکھتے ہیں"۔ چنانچہ اس کی شہادت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جس زمانہ میں مولوی صاحب بی۔ اے۔ میں تعلیم پاتے تھے آپ نے تہذیب الاخلاق کے لئے ایک مضمون لکھا تھا، جس میں ہندوستان کے اس مشہور انقلاب انگیز رسالہ کو بڑی آزادی سے یہ بتایا تھا کہ اس کے فرائض کیا ہیں۔ ان میں ایک ضروری اور ناگزیر فرض "اردو زبان کو ترقی دینا" بھی تھا۔

اسی زمانہ سے آپ نے اردو زبان میں بلند پایہ مضامین لکھنے شروع کئے، وہ مضامین علی گڈھ میگزین اور اس زمانہ کے مشہور رسالہ حسن وغیرہ کی پرانی جلدوں میں ملتے ہیں۔ ان مضامین کی نگارش کا مدعا محض اردو زبان کی خدمت تھا۔

آپ کو اس زبان کو ترقی دینے کی جو دھن اور لو بتدا ہی سے تھی، اس کا اندازہ اس امر کے مد نظر آسانی سے ہوسکتا ہے کہ آج سے ۴۰ سال قبل آپ علی گڈھ سے طالب علمی کے زمانہ میں اورنگ آباد پہنچ چکے کے کتب خانہ کی تلاش میں آئے تھے۔ اس زمانہ میں اورنگ آباد تک ریل جاری نہ ہوئی تھی اس لئے آپ کو احمد نگر

کے راستہ سے آنا پڑا تھا - لیکن افسوس کہ اس سے بہت قبل وہ مشہور کتب خانہ لٹ چکا تھا - آپ کو دکنی زبان کی چند کتابوں کے سوا کچھہ نظر نہ آیا - اس طویل مسافت کا انجام بہت حوصلہ شکن نظر آتا ہے' لیکن اس سے آپ کی طلب میں کاہش نہ آئی' بلکہ دھن بڑھ گئی اور ہر آن اس کی لو لگ گئی - اور جب آپ سر سید کی بزم سے اٹھے تو اٹھتے ہی اردو بھاشا کی بھگتی میں مصروف ہو گئے -

بی- اے - پاس کرنے بعد آپ سنہ ۱۸۹۵ ع میں حیدرآباد میں ملازم ہو گئے - یہ وہ زمانہ تھا جب حیدرآباد میں انگریزی تعلیم یافتہ کو سر آنکھوں پر جگہہ دی جاتی تھی لیکن آپ نہایت قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے - آپ کا مقصد جلب منفعت یا طلب جاہ نہ تھا' آپ کی نظر میں ایک مشہور بزرگ کا قول تھا - جس نے حیدرآباد کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ اگر کسی کو ملک و قوم کی خدمت منظور ہے تو وہ وہاں جاے - ورنہ ہندوستان میں جو کوششیں کی جائیں گی ناکام اور بے فیض ثابت ہوں گی - یہی وجہ تھی جس کی بنا پر آپ نے ذاتی مفاد اور اغراض کو ٹھکرا دیا اور حیدرآباد کی پرسکون فضا میں خاموشی کے ساتھہ ایک بڑی تعمیر میں مصروف ہو گئے - آپ کا مقصد بہت بلند تھا' وہاں تک پہنچنے کے بظاہر اسباب نہ تھے'

کام اہم تھا اور ذرایع قطعاً مسدود، جنس گراں تھی اور دام کم - لیکن طلب صادق تھی اور سچی لگن، آپ نے ملازمت کے دو سال کے بعد سنہ ۱۸۹۷ ع میں ایک رسالہ افسر نکالنا شروع کیا جس کے مقاصد یہ تھے "اردو زبان میں علمی، تاریخی، لسنی، تمدنی، فوجی مضامین درج ہوں گے اور عمدہ کتابوں پر ریویو بھی لکھے جائیں گے" اس رسالہ کے مقصد کی تہ میں جو روح کام کر رہی ہے وہ صاف ظاہر ہے - اچھے مضمون اور اچھی نظم کو ایک اشرفی بطور انعام دی جاتی تھی - اردو چونکہ اس وقت قصہ کہانیوں کی سرحد سے نکل کر علمی میدان میں قدم رکھہ رہی تھی، اس لئے اس کی دیکھہ بھال اور رہنمائی کے لئے تنقید بھی رسالہ کا مقصد قرار دیا گیا - اور غالباً یہ پہلا اردو رسالہ ہے جس نے کتابوں پر تنقید کرنے کو اپنا مقصد قرار دیا - یہ رسالہ غالباً پانچ سال جاری رہا - اس عرصہ میں اس نے اردو کی کیا خدمت کی اس کا اندازہ اس امر کے مد نظر ہوسکتا ہے کہ اس کے قلمی معاونین ہندوستان کے ایسے مستند ادیب اور انشا پرداز تھے - جن کی تحریریں بڑے شوق سے پڑھی جاتی تھیں اور مقبول عام ہوتی تھیں - ان میں مولانا حالی - شمس العما مولانا ذکا اللہ دھلوی - مولوی عزیز مرزا، مولوی

غلام الثقلین، مولوی چراغ علی، پروفیسر شہباز، نواب عمادالملک اور مولانا ظفر علی خاں وغیرھم تھے۔ شاعروں میں مولانا گرامی اور حضرت جلیل وغیرھم —

اس میں شبہ نہیں رسایل و اخبارات کے ذریعہ زبان کی بڑی خدمت ہوسکتی ہے، لیکن اس زمانہ میں عوام کو اس قبیل کی چیزوں سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے اس کا بین اور نمایاں اثر ہونا دشوار تھا۔ مولوی صاحب اس سے مطمئن نہ تھے۔ وہ ہر آن آگے بڑھنے اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں بے چین رہتے تھے۔ حالات موافق نہ تھے اور بظاہر زیادہ پایدار اور موثر کام کی توقع نہ تھی۔ لیکن خدا ان کی مغفرت کرے نواب عمادالملک بہادر اس زمانہ میں ناظم تعلیمات تھے۔ اور ولی عہد وقت ہمارے آقا نواب میر عثمان علی خاں خلداللہ ملکہ و سلطنتہ کے اتالیق۔ نواب صاحب نے آپ سے فرمایش کہ اردو خطوط نویسی پر رسالے لکھے جائیں۔ غالباً یہاں آپ کو پہلا بہترین موقع ملتا ہے جس سے آپ کماحقہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور سنہ ۱۹۰۱ ع میں دو رسالے لکھتے ہیں —

دوسرے رسالہ میں ایک خط باپ کی طرف سے بیٹے کے نام ہے۔ جس میں یہ پیغام ہے —

"جان پدر! ..... چونکہ اس خط میں تمہاری تعلیم کا تذکرہ آگیا ہے، میں اس موقع پر ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں، اس میں شک نہیں تم قریب قریب تمام مضامین میں اچھے ہو، اور ان میں دلچسپی بھی ہے لیکن میں ایک بڑی کمی دیکھتا ہوں، جس کا ظاہر کردینا میرا فرض ہے، وہ یہ ہے کہ تم اُردو یعنی اپنی مادری زبان کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہو ..... اس سے زیادہ افسوس کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ ہم دوسری زبان کے حاصل کرنے میں تو ہمہ تن مصروف رہیں، لیکن اپنی مادری زبان کی طرف بالکل توجہ نہ کریں۔ علاوہ مادری زبان کے ہمیں اب تک زیادہ تر کام اسی زبان سے پڑتا ہے۔ آپس کی خط و کتابت اور عدالت کی کارروائی اُردو ہی میں ہوتی ہے اس میں علمی ذخیرہ بھی اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس کی طرف سے بے توجہی کرنا سراسر غلطی ہے، اور اس میں نقص رہ جانے سے بعد میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں" باپ کے اس پیغام سے بیٹے کی آنکھوں کے سامنے ایک نیا عالم کھل جاتا ہے، اور وہ نہایت جوش و خلوص سے لبیک کہتا ہے!—

"آداب، آپ کا عنایت نامہ پہنچا، آپ نے جو تحریر فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے، حقیقت میں افسوس کی

بات ہے کہ ہم اپنی زبان کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں، ہمارے ایک اُستاد یہی کہا کرتے ہیں۔ مگر ہے یہ کہ متعدد مضامین تیار کرنے کی وجہ سے بہت کم فرصت ملتی ہے کہ ان چیزوں کی طرف بھی توجہ کی جائے جو ہمارے امتحان میں نہیں ہیں۔ لیکن آج سے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ فرصت کا تمام وقت اُردو کے سیکھنے میں صرف کروں"

ملاحظہ ہو کس طرح آپ نے نواب صاحب کی فرمائش سے فائدہ اُٹھایا، اور کس ادا سے ہونے والے بیدار مغز تاجدار کے دل میں ابتدا ہی سے اُردو کی محبت کا بیج بونے کی کوشش کی، جو آگے چل کر ایک تناور عظیم الشان اور باردار شجر کی شکل میں نمودار ہونے والا تھا۔ یہی وہ ہلکی سی جنبش تھی جس نے حیدر آباد کی فضا میں مادری زبان میں تعلیم کا طلاطم پیدا کردیا۔ یہی وہ بنیادی اینٹ تھی جس پر ایک مستحکم، ذی وقعت اور بے عدیل تعمیر چنی جانے والی تھی جہاں سے مشرق و مغرب کے علوم کے نظارے ایک ساتھ کئے جاسکتے ہیں —

یہ بحث زیادہ تفصیل کی محتاج نہیں، خدا کے فضل سے ابھی ملک میں ایسے باخبر لوگ موجود ہیں جو جانتے ہیں کہ حیدر آباد کے اس تعلیمی انقلاب میں مولوی صاحب کا کیا

رتبہ ہے - حق یہ ہے کہ اس انقلاب میں مولوی صاحب کی خاموش جانفشانیوں کا بہت بڑا حصہ ہے - وہ عرصہ تک اس کے اسباب پیدا کرتے رہے - یہاں تک کہ نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کا دور آیا - ان کے توسط سے مولوی صاحب نے جو نمایاں اور زندۂ دایم کارنامے انجام دئے ہیں' ان سے اکثر لوگ واقف ہیں' اور خود نواب صاحب نے کئی بار ان کا ذکر کیا ہے —

مولوی صاحب زندہ اور بے تاب فطرت لے کر آے ہیں' ان کو سکون و قرار میں چین نہیں آتا - وہ ابتدا ہی سے اپنے مقصد کی تکمیل کی طرف نہایت خاموشی لیکن پر جوشی سے بڑھے جاتے ہیں - خود بہت زیادہ کام کرتے ہیں اور دوسروں سے کام لینا جانتے ہیں - فراغ تعلیم سے لے کر سنہ ۱۹۱۲ ع تک جو زمانہ گزرا ہے - اس میں آپنے نہایت بلند پایہ مضامین لکھے' اعلیٰ درجہ کی کتابوں پر نہایت ناقدانہ اور مبصرانہ مقدمے لکھے' اُردو ادب میں مغربی طرز کا تنقیدی عنصر داخل کرنے کی کوشش کی' اور چند ہی دنوں میں اپنی مشہور تنقیدی قابلیت ادبی ذوق اور علمی شغف سے قدیم و جدید طرز کے عالموں' ادیبوں اور انشا پردازوں کو قایل کردیا - اور بہت جلد غیر معمولی شہرت و ناموری حاصل کرلی' اور

غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ سنہ ۱۹۱۱ ع میں انجمن ترقی اُردو کے اعزازی معتمد منتخب ہوے —

یہ پہلا موقع ہے کہ جب آپ کی خاموش کوششوں کا اعتراف ملک نے کیا۔ یہ ان لوگوں کی دانشمندی ہے ہے جنھوں نے آپ کے ہاتھہ میں انجمن کی باگ دیدی، اس وقت سے آپ کی فطری قابلیتیں زیادہ وسعت کے ساتھہ کار فرما ہونے لگیں۔ انجمن ترقی اُردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک معمولی شاخ تھی اور سنہ ۱۹۰۳ میں قایم ہوئی تھی۔ گیارہ سال موافق و مخالف جھونکوں میں پلتی رہی، جس وقت آپ کے ہاتھہ میں اس کی عنان معتمدی آئی وہ سسک رہی تھی اور اس کے پنپنے کی کوئی توقع نہ تھی، لیکن آپ کی مشہور کارگزاری نے اس کے حق میں مسیحائی کی، چند ہی سالوں میں وہ حیات تازہ حاصل کرکے اُٹھی، رفتہ رفتہ اس میں زندگی اور جوش کے آثار نمایاں ہونے لگے، اس کی سالانہ رپورٹیں اُٹھاکر دیکھئے تو اس کی حیات اور جوش کا ارتقا آسانی سے سمجھہ میں آے گا —

مولوی صاحب سے قبل انجمن کے گیارہ سال کی کارگذاری کوئی حیثیت نہیں رکھتی "انجمن کی گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوئی، کیوں کہ

اس کی بڑی خصوصیت اور اس کا بڑا کام اس کی ناکامی تھی اور اسی لئے دس گیارہ سال کس پرسی کی حالت میں پڑی رہی" * —

مولوی صاحب نے ایک مردہ انجمن کو جس طرح جلایا، اس کا اندازہ ان لوگوں کی تحریروں سے ہوگا جو انجمن کی اہمیت کو جانتے تھے اور اس کے مقاصد سے دلچسپی رکھتے تھے، ہم اپنے الفاظ محفوظ رکھتے ہیں، اور چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، جن سے پوری حقیقت آئینہ ہو جائے گی —

"اس حقیقت کا اعتراف نہ کرنا کہ مولوی عبد الحق صاحب نے انجمن ترقی اردو کے بے جان قالب میں ایک نئی روح پھونکدی سخت ظلم ہوگا۔ ان کے عہد سے پیشتر انجمن کی وقعت ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک غیر دلچسپ ضمیمہ سے زیادہ نہ تھی۔ کانفرنس نے جو سالانہ رقم مقرر کردی تھی اور جو کبھی وصول نہ ہو سکی وہ اس کا واحد ذریعہ آمدنی تھی۔ اراکین کی تعداد ایسی ہی مختصر تھی کہ اُنگلیوں پر گنی جا سکتی تھی، اسباب کچھہ ہی کیوں نہ رہے ہوں لیکن ملک کو

---

* الناظر جلد بابتہ سنہ ۱۹۱۳ ع

اس سے قطعی دلچسپی نہ تھی اور بہت ہی
کم لوگ ایسے تھے جو اس کے وجود سے بھی باخبر
تھے، دو چار قابل قدر کتابیں ضرور شایع
ہوئیں لیکن جہاں تک میرا ذاتی علم ہے یہ
کتابیں ڈیوٹی بک ڈپو علی گڈھ کالج کے سرمایہ
سے شایع ہوئیں۔ انجمن کی پسند کی البتہ
تھیں۔ ادھر مولوی صاحب کے سپرد یہ انجمن
کی گئی اور ادھر اس نے مدتوں کی گہری
نیند کے بعد آنکھ کھولی، ان کی مستعدانہ
کوششوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اتنی
کامیابی حاصل کی کہ حیدر آباد و بھوپال
سے مستقل سالانہ امداد مقرر ہوگئی۔ اور
ارکان کی تعداد میں بھی روز افزوں اضافہ
شروع ہو گیا ..... بہر حال مولوی صاحب نے
انجمن کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر
کھڑی ہو اور ملک کی دلچسپی بھی اس کے
ساتھہ یوماً فیوماً ترقی پر ہے۔ اس کا بین
ثبوت اس سے بڑھ کر نہیں مل سکتا کہ اب
اکثر انجمن اور اس کے کاموں پر اخبارات
رسایل میں تنقیدیں شایع ہوا کرتی ہیں،

اور اگر عیب چیں موجود ہیں تو داد دینے
والے بھی دل کھول کر داد دے رہے ہیں" *

" جیسا کہ شروع میں لکھا گیا ہے کہ سکرٹری
کی ذات واحد اب تک انجمن کی مرادف
سمجھی جاتی رہی ہے اور اگرچہ مولوی
عبدالحق صاحب جس مستعدی انہماک اور سچے
ذوق کے ساتھہ انجمن کا کام کر رہے ہیں یہ
محض اسی کا نتیجہ ہے کہ تین سال کی مدت
میں انجمن ترقی اردو کی بنیادیں اس قدر
مستحکم ہو گئی ہیں اور اتنا عملی کام ہو
گیا ہے کہ اس سے قبل کے دس برس سے اگر
مقابلہ کیا جاے تو حیرت ہوتی ہے اور ان
کی خدمات کا دل سے اعتراف کرنا پڑتا ہے"

مولوی صاحب کی کارگزاری، جد و جہد اور انہماک
کا اعتراف ملک اور بیرون ملک کے جن مشاہیر اصحاب
الراے نے کیا ہے، اگر ان کی آراء کو یکجا جمع کیا جاے
تو ایک کتاب ہو سکتی ہے، ہم ان سب کو نہ تو جمع
کرسکتے ہیں اور نہ ایسا کرنا یہاں مناسب ہے - ہم صرف

---

* الناظر بابت سنہ ۱۹۱۷ ع

انجمن کی عملی سر گرمیوں اور کار گزاریوں پر ایک سرسری نظر ڈالیں گے ' اس لئے کہ انجمن کی کارگزاری مولوی صاحب کی کارگزاری ہے —

:- وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہے

انجمن نے اس وقت تک (۵۰) سے زائد کتابیں شائع کی ہیں' (۶) زیر طبع ہیں اور (۱۰) کے قریب تیار ہیں - ان میں اکثر کتابیں نہائت بلند پایہ ہیں اور اور ایسے موضوعوں پر ہیں جن پر اس سے قبل اردو زبان میں کچھہ نہیں لکھا گیا تھا - وہ بالکل بے مایہ تھی ان کتابوں کی اشاعت نے زبان کو مالدار کردیا ' اور اہل ملک پر ثابت کردیا کہ اس زبان میں صلاحیت ہے کہ وہ جدید علوم و فنون کی دیانت داری سے حامل بن سکے —

انجمن کی شاخیں ملک میں اور ملک سے باہر پھیلی ہوئیں ہیں - ان کی مجموعی تعداد ایک سو کے قریب ہے - مرکزی انجمن کے دوامی ارکان کی تعداد (۱۰۰) ہے ان کے علاوہ مختلف شاخوں کے بے شمار ارکان ہیں - ملک کے سربر آوردہ ادیب اور مستند علما کے ہاتھوں میں اس کا مشاورتی ادارہ ہے انجمن کے پاس اس وقت پون لاکھہ کے قریب محفوظ رقم ہے —

انجمن کو جو ترقی اور عروج نصیب ہوا ' اس پر جب

ہم نظر کرتے ہیں تو اعترات کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب مولوی صاحب کی خاموش جانفشانیوں کا ثمرہ ہے - انجمن کی کامیابی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اس کو اپنے مقاصد میں تبدیلی کرنی پڑی - مدعا یہ کہ جن مقاصد کے تحت انجمن کا قیام عمل میں آیا تھا، ان کو انجمن کی کارگزاری اور کامیابی نے بہت تنگ اور معمولی ثابت کردیا اسی لئے انجمن کے مقاصد میں زیادہ بلندی اور وسعت پیدا کی گئی - پہلے وہ ایجوکیشنل کانفرنس کی غیر اہم شاخ تھی لیکن اب اس نے اس قدر اہمیت و حیثیت حاصل کرلی کہ کانفرنس پر چھا گئی اور کچھ عرصہ قبل اس کی وسعت پر نظر کر کے اس کو کانفرنس سے علحدہ و بے تعلق کرلیا گیا اور اس کی ایک آزاد اور مطلق العنان حیثیت قائم کرلی گئی ہے —

اس ضمن میں مولوی صاحب کی سب سے بڑی کارگزاری رسالہ اردو کا اجرا ہے - اردو رسائل میں اس کو ممتاز رتبہ حاصل ہے اور بقول منشی پریم چند وہ اردو رسائل کا قافلہ سالار ہے - سنہ ۱۹۲۱ سے نکل رہا ہے - اس وقت تک ۳۷ نمبر نکل چکے ہیں یہ ۳۷ مستقل کتابیں ہیں اس کے اکثر مضامین نہایت بلند پایہ اور محققانہ ہوتے ہیں - خصوصاً تاریخ زبان و ادب پر سب سے پہلے اس رسالہ میں

مستند اور وقیع مضامین نکلے ہیں - افسر کے مقاصد میں تنقید بھی ایک مقصد تھا مولوی صاحب کا وہ قدیم خیال اور پختہ ہوگیا اور اردو میں اس کے لئے اب ایک حصہ وقف کردیا ہے - یہی ایک ایسا رسالہ ہے جس میں جدید طریقوں سے تنقید کی جاتی ہے - اس سے قبل اردو زبان میں تنقید کا عنصر اس قدر کم زور تھا کہ وہ کسی شمار اور احاطہ کے لایق نہیں - 'اردو' نے اس خصوص میں بڑی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں' آئندہ تنقید کی ترقی اس کی ممنون رہے گی —

اردو کے بعد سائنس کا نمبر آتا ہے - یہ اردو زبان کا ایک سہ ماہی رسالہ ہے - جس کے اجرا کا مقصد یہ ہے کہ اہل ملک کو سائنس کی جدید ترقی اور انقلاب سے باخبر کردیا جائے تاکہ دل و دماغ اور تخیل و تعقل پر قدامت پسندی اور جہالت نے جو پردے ڈال دئے ہیں ان کو اٹھا دیا جائے - یہ رسالہ بھی تین سال سے نکل رہا ہے - اور اپنی بساط کے موافق اردو دانوں کی خدمت کر رہا ہے اگر سائنس کے ماہرین اور علما اس کی طرف زیادہ توجہ کریں تو خاطر خواہ مفاد کی توقع ہے - بصورت موجودہ بھی یہ رسالہ بہت غنیمت ہے - اس موضوع پر اس معیار و اہتمام کے ساتھ اب تک کوئی

رسالہ نہیں نکلا تھا۔ اس سے ایک طرف تو اہل ملک کے تخیل میں بلندی اور نظر میں وسعت پیدا ہوگی اور دوسری طرف اردو زبان علمی خیالات سے مالا مال۔

مولوی صاحب کی یہ خدمات ملکی اور قومی کاموں کے ضمن میں آتی ہیں۔ اس کے بعد ان کو جو خدمت ملازمت کے سلسلہ میں انجام دینی پڑی اس کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔ مولوی صاحب ۳۵ سال سے سرکار آصفیہ میں ملازم ہیں۔ اس طویل مدت میں وہ جہاں کہیں رہے اردو سے غافل نہیں رہے۔ اور برابر اس کے بنانے سنوارنے میں لگے رہے۔ ابتدائی ملازمت میں انھوں نے جو زبردست تعمیری کام انجام دئے ہیں ان کا ذکر ہو چکا۔ اب ان خدمات کا ذکر کرنا ہے جو انھوں نے ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ، صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ‌آباد، اور پرنسپل اورنگ‌آباد کالج کی حیثیتوں میں انجام دی ہیں —

جب جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تو سب سے اہم اور بنیادی کام سررشتہ تالیف و ترجمہ کا تھا۔ اس کی باگ مولوی صاحب نے اپنے ہاتھ میں لی۔ ملک کے مستند و مسلم‌الثبوت انشا پردازوں کو اپنے سررشتہ میں لیا۔ اور بڑی سرگرمی سے کام کا آغاز کیا۔ نہایت جدید

اور فیض بخش طریقہ پر کام چلاتے رہے - لیکن چند در چند وجوہ کی بنا پر آپ کو اپنی اصلی خدمت صدر مہتمم تعلیمات اورنگ‌آباد پر واپس آنا پڑا —

صدر مہتمم تعلیمات کی حیثیت سے بھی آپ نے اردو کی بڑی گراں قدر خدمت کی - آپ کے تحت چار ضلعے تھے - آپ ہر مدرسہ کا معائنہ فرماتے ' اردو کے اچھے اچھے اُستادوں کو مامور کرتے ' ان کو پڑھانے کا ڈھنگ بتاتے - میرا ذاتی خیال ہے کہ آپ نے اس حیثیت سے اردو کی جو عملی خدمت کی ہے وہ بہت اہم اور قابل لحاظ ہے - آپ کو قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ دورہ کی تقریب میں ۱۲ سال پھرنا پڑا - اردو کی تبلیغ و اشاعت کا اس سے بہتر موقع نہیں ہوسکتا - آپ جس مدرسہ کا معائنہ کرتے اور اس کے بعد وہاں کی تعلیمی حالات پر مدرسہ کی سرکاری کتاب میں رائے دیتے تو بڑی دلسوزی سے اردو کی تعلیم کا ذکر کرتے اور اس کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتے ' اگر یہ ممکن ہے کہ چار ضلعوں کے مدارس کے رجسٹروں کا معائنہ کیا جائے اور مولوی صاحب نے جو رائیں اور مشورے دے ہیں ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو معلموں کے لئے یہ کتاب بڑی بیش بہا ثابت ہوگی اور اردو زبان میں تعلیمی تنقید پر ایک

مستقل گراں پایہ تصنیف بھی ہو گی —

مولوی صاحب نے اورنگ آباد کالج کے پرنسپل کی حیثیت میں بھی اردو کی بڑی خدمت کی، آپ خود کالج میں اردو پڑھاتے تھے، اساتذہ پر اس باب میں خاص نگرانی رکھتے تھے طلبہ میں انشا پردازی کا شوق پیدا کرنے کے لئے سنہ ۱۹۲۵ ع میں ایک رسالہ نورس بھی جاری کیا جو اب تک جاری ہے۔ کالج کے قیام کے دیڑھ سال بعد ہی یہ رسالہ نکلا۔ اس کے اجرا سے طالب علموں میں لکھنے کا شوق پیدا ہوا اور وہ نئے نئے موضوعوں پر سوچنے اور لکھنے لگے —

اس سلسلے میں کالج کے (یوم کلیہ) کا ذکر ضروری ہے، مولوی صاحب ہر سال یہ جشن بڑی شان سے منایا کرتے تھے۔ یہ بھی دراصل ایک ادبی تفریح اور مشغلہ تھا۔ اس میں مولوی صاحب اپنے ذوق اور بساط کے موافق دلچسپیاں پیدا کرتے تھے۔ یہ سالانہ جشن ایک حیثیت سے یادگار اور تاریخی چیز ہے۔ اس میں اُردو زبان میں ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ قدیم و جدید اساتذہ کا کلام محفل کو خوش الحانی سے سنایا جاتا تھا۔ جدت آمیز سوانگ بھرے جاتے تھے۔ شعراء اپنا کلام سناتے تھے، مشاعروں کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں قدیم تاریخی مشاعروں اور درباروں کے

سین دکھائے جاتے تھے، علما کی تقریریں ہوتی تھیں، بلند پایہ مضامین پڑھے جاتے تھے۔ غرض اورنگ آباد میں ہر سال ایک ادبی تفریح کے اسباب جمع ہوجاتے تھے۔ اس تقریب میں بعض ایسی چیزیں منظر عام پر آئیں کہ تاریخ زبان و ادب میں یادگار رہیں گی —

۳۴ سال ملازمت کرنے کے بعد سرکار آصفیہ نے مولوی صاحب کو حسن خدمت کے صلے میں چھ سو روپیہ وظیفہ دیا ہے۔ اور بعض قدر شناس حکام نے مزید ایک ہزار روپیہ ماہوار پر یونیورسٹی کالج میں اُردو کی سینیر پروفیسری کے کام پر مجبور کیا ہے۔ آج کل آپ اس خدمت پر مامور ہیں، اور طلبہ میں اعلیٰ ذوق پیدا کرنے کی فکر رکھتے ہیں، ارباب جامعہ اور اہل حیدر آباد کو بھی توقع ہے کہ آپ اپنی شان کے شایاں آثار چھوڑ جائیں گے —

میرا موضوع تشنہ رہ جائے گا اگر میں مولوی صاحب کی اس خدمت کی طرف اشارہ نہ کردوں جوانھوں نے براہ راست اپنے قلم کے ذریعہ انجام دی۔ مولوی صاحب "دنیا میں محض شوق علمی اور مطالعہ کتب کے لئے زندہ ہیں اور بس"۔ "زبان سے کم کہتے ہیں مگر خاموشی کے ساتھ زیادہ کام کرتے رہنے کے خوگر ہیں" طالب علمی کے زمانہ سے لے کر اب تک مولوی صاحب کی بالکل یہی

کیفیت ہے۔ وہ مہد سے لے کر لحد تک طالب علم ہی ہیں۔ ان کے خاموش طویل اور وسیع مطالعہ نے ان کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا، ہم اس وقت آسانی سے نہیں بتا سکتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ انہوں نے خاموش رہ کر اپنے قلم کی جنبش سے اُردو زبان کو مستقل فائدہ پہنچایا۔ وہ طالب علمی کے زمانہ سے اب تک برابر اہم موضوعوں پر مضامین لکھتے رہے ہیں۔ ان کی تحریروں کو اگر جمع کیا جائے تو کئی جلدیں ہوجائیں گی۔ آپ کے مضامین اور خصوصاً مقدمے محققانہ اور مبصرانہ ہوتے ہیں۔ آپ ابتدا ہی سے اُردو زبان میں تنقیدی عنصر داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر آپ نے آج سے تیس سال قبل ایک مضمون لکھا تھا۔ آپ کی تنقیدیں اور تبصرے جمع کئے جائیں تو وہ اعلیٰ تنقید نگاری کا غیر فانی نمونہ ہوگا —

قواعد اردو کے سواء آپ کی بظاہر کوئی تصنیف نظر نہیں آتی، لیکن حقیقت ہے کہ آپ نے اپنی جنبش قلم سے جو کچھ پیش کیا ہے وہ کئی ہزار صفحوں میں سماسکتا ہے اور اردو ادب میں کیا بلحاظ موضوع اور کیا بلحاظ اسلوب بیان پایدار زندگی رکھتا ہے —

آپ کے طرز تحریر کے باب میں ہم بابو سکسینہ صاحب

مؤلف تاریخ ادب اردو کی اس رائے سے متفق ہیں کہ آپ مولانا حالی کے طرز میں لکھتے ہیں ' لیکن ضروریات زمانہ کے لحاظ سے آپ کا اسلوب تحریر زیادہ ترقی یافتہ اور پختہ ہے —

آپ کی تحریروں میں عموماً بڑی لطیف ظرافت پائی جاتی ہے ' یہ آپ کی تحریروں کی بڑی خصوصیت ہے اس پر ہم نے ایک علیحدہ مضمون لکھا ہے —

جب ہم مولوی صاحب کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ وہ ملک کی دل سے خدمت کرنی چاہتے ہیں اور اہل ملک میں ایک عام اتحاد اور عالم گیر محبت نافذ کرانا چاہتے ہیں - ان کی جانفشانیوں کی جولانگاہ (زبان کے ذریعہ خدمت) بظاہر بہت تنگ نظر آتی ہے - لیکن اس میں بڑی وسعتیں پنہاں ہیں - زبان کے اندر ایک غیر فانی قوت ' زبردست عظمت اور مستقل اثر ہے - وہ قومیت ' اتحاد علم ' فضل ' بلند خیالی ' وسیع النظری اور اس قسم کے صدہا لازوال خزانوں کی کنجی ہے - مولوی صاحب اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں - وہ اس کی خاطر نہایت خلوص اور ایثار سے کوشاں ہیں - ان کے تگ و دو ' جد و جہد اور سر گرمی کو غالباً دیکھ کر سروجنی نائڈو نے کہا تھا ' مولوی عبدالحق

صاحب کی کوشش ہے کہ تمام دنیا کی زبان اردو ہوجائے"
بظاہر اس میں کسی قدر مبالغہ معلوم ہوتا ہے' لیکن
حقیقت یہ ہے کہ وہ اردو کے واسطے ایسی ہی جانفشانیوں
اور ذاتی قربانیوں سے کام لے رہے ہیں - اس راہ میں انھوں
نے اپنا مال وزر' وقت' اثر' تدبیر' سیاست' شفقت'
محبت' جوانی کی رنگینی اور بڑھاپے کا سکون ہر چیز
لٹادی —

حق یہ ہے کہ ایسے لوگ دنیا کے محسن ہیں' وہ
واجب التعظیم ہیں' اپنے بعد اپنا غیر فانی نام اور کام
چھوڑ جانے والے ہیں' جو اوروں کے دلوں میں جوش اور ولولہ
پیدا کرتا رہے گا —

نظمیں

ترجیع بند

بتقریب تشریف آوری مولوی عبدالحق صاحب مدفیوضہم
بجامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

از

جناب مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

[ہم حضرت ہاشمی کی یہ نظم شکریے کے ساتھ رسالے میں شائع کرتے ہیں، اگرچہ ہمارے لئے کوئی ایسی نظم شائع کرنا جس میں ہمارے مولوی صاحب قبلہ کے یہاں سے جانے پر اظہار مسرت کیا گیا ہو بہت ہی جانگزا ہے، لیکن کوچۂ عشق کی راہیں کچھ ایسی پیچ در پیچ ہوتی ہیں کہ رقیبوں کی خوشی سے بھی خوش ہونا ہی پڑتا ہے ۔

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہوگئیں

ہم بھی ہاشمی صاحب اور اپنے دوسرے حیدر آبادی رقیبوں کی خوشی سے خوش ہیں اس لئے کہ ؎

جس کو بی چاہے وہی سہاگن

نظم کے متعلق بے اختیار یہی کہنے کو جی چاہتا ہے

کہ کاش ھاشمی صاحب اور سب کام چھوڑ کر ھمیشہ اسی قسم کی بلند پایہ نظموں سے ذوق نوازی کیا کریں]

اڈیٹر

——(۱)——

مژدہ ' اھل عزلت و زوایا ! ھنگامہ فروز بزم آیا !
یا ' پشت جبل سے ابر اٹھ کر سوکھی ھوی کھیتیوں پہ چھایا
یا ' شاھد رنگ پاش گل نے پھر طرف چمن سے سر اٹھایا
یا ' طائر دیر و دور رفتہ پھر شاخ پہ گر کے چہچہایا
یا ' تشنہ لبوں کا جذب کامل پھر پیر مغاں کو کھینچ لایا

عشرت پیدا ۔ طرب فراھم
ھر سمت نوائے خیر مقدم

——(۲)——

اے پردہ در حجاب معنی اے فاش نگار سر و اخفی
اے جلوہ نمائے حسن پنہاں اے چشم کشائے ذوق خفتہ
تیرے در نکتہ گستری پر لازم کہ ادب ھو ناصیہ سا
تیرے سر آگہی کے آگے شایاں کہ جھکے کلاہ فضلا
بیجان تھا علم اس کے حق میں آمد ھے تری ظہور عیسی

عشرت پیدا - طرب فراہم
ہر سمت نوائے خیر مقدم

(۳)

اے مخلص بے ریا صفا کیش — اے یار غرض کم و وفا بیش
حق بندہ و حق پسند و حق گو — حق کوش' حق آشنا حق اندیش
یہ قوت حق ہے جس کے آگے — جاتی نہیں جاہ و شاہ کی پیش
اے عیش سے بے نیاز اپنے — اے درد سے دوسروں کے دلریش
ہے ضد زمانہ تیرا مسلک — اول درویش بعدہ خویش

عشرت پیدا - طرب فراہم
ہر سمت نوائے خیر مقدم

(۴)

اے محرم وضع دوستداری — اے رمز شناس رسم یاری
مذہب ترا آشنا پرستی — آئین ترا وفا شعاری
سیکھے کوئی تجھ سے غم ربائی — دیکھے کوئی تیری غم گساری
خالی نہ ہو تجھ سے بزم رنداں — جب تک کہ ہے دور بادہ خواری
آنا ترا رحمت الٰہی — ملنا ترا من نعیم باری

عشرت پیدا - طرب فراہم
ہر سمت نوائے خیر مقدم

(۵)

آ' حسن کو دلپسند کر دے — آ' شوق کو ارجمند کر دے

مدت سے کہاں سر نگوں ہے تو پھر اِسے سر بلند کر دے
کر عام ادائے دلفزا ئی بے دردوں کو درد مند کر دے
اہلیت کس مپرس کا مول گاھک بن کے چند چند کر دے
دل سرد ہوا ہے ہاشمی کا تو آ، اسے پھر سپند کر دے

عشرت پیدا - طرب فراہم
ہر سمت نوائے خیر مقدم

بدائی

از

(پنڈت ونشی دھر صاحب ودھیا النکار لکچرار
ہندی - عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(۱)

میں چپ ہوں، اس سے نہ یہ سمجھنا
کہ مجھ کو ہے بولنا نہ آتا
نہ ایک بھی شبد، میرے دل کے
ہے بھاؤ* کو ویکت† کر دکھاتا

---

(۲)

‡ بدای دینا کسے ہیں کہتے
یہ پوچھ لو دل کے آنسوؤں سے

---

* جذبہ † ظاہر ‡ الوداع

یہی ہیں جو کچھ بتا سکیں گے
زبان بچاری بتائے گی کیا

—

(۳)

بھرا ہے دل اور بھری ہیں آنکھیں
زباں میں ہلنے کی ہے نہ طاقت

—

(۴)

تڑپ بچاری تڑپ رہی ہے
کہ دکھہ یہ کیسے بتاوں اپنا

—

(۵)

جہاں پہ رہنا خوشی سے رہنا
کبھی ہمیں یاد کرتے رہنا
یہی غرض ہے یہی ونے * ہے
یہی ہمارا ہے تم سے کہنا

—

* (التماس)

مولوی عبدالحق صاحب اور اورنگ آباد

از

(نتیجہ فکر نبی الحسن شمیم صاحب سابق طالب علم اورنگ آباد کالج)

اس جہان رنگ و بو میں ایک طائر خوشنوا
پھر رہا تھا ہر طرف اڑتا ہوا گاتا ہوا
یک بیک اس کی نگاہیں ایک جانب کو اٹھیں
مائل پرواز تھیں جو قوتیں وہ رک گئیں
غور سے دیکھا تو اک سطح چمن تھی سامنے
دلفریب ایسی کہ گویا روح تن تھی سامنے
اس کے ویرانہ میں بھی حسن اثر کی شان تھی
اس کی بربادی پہ بھی طرز کشش قربان تھی
ہر طرف تھے کوہ و میدان چشمۂ آئنہ دار
دلفریبی نے کیا جنکی نگاہوں کو شکار

خود بخود اترا زمیں پر طائر رنگیں نظر

اپنا گانا روک کر اپنے پروں کو تھام کر
جی میں یہ سوچا کہ ایسا لطف ممکن ہی نہیں
نام جانے کا نہ اوں گا اس جگہ سے میں کہیں
اپنی کوشش سے کیا اسنے چمن کو صاف و پاک
تھا ھجوم لالہ و نرگس جہاں اڑتی تھی خاک
بوے گل چاروں طرف سے آنے ھیاں لانے لگیں
روشنی صحن چمن میں بجلیاں لانے لگیں
اس کی ھر آواز پر آتے صغران چمن
تھا مگر وہ آپ ھی زینت دہ جان چمن
اس کے گانے کا بہت تھا ھم نشینوں پر اثر
اس کو حلقہ میں لئے بیٹھے تھے سب آٹھوں پہر
راز فطرت درس حق اور زندگانی کے اصول
یوں بتائے کر لیا جن کو دلوں نے بھی قبول

چین کرتے اس طرح جب ایک عرصہ ھو گیا
طائر حق نے یہ سمجھا کام پورا ھو گیا
ایک دن جب خواب غفلت میں تھی ساری کائنات
اڑ گیا صحن چمن سے ھاے وہ رنگیں صفات
ھجر میں اب ھمنشینوں کو سہارا ھے یہی
دور سے آواز آجاتی ھے کانوں میں کبھی

اظہار مسرت

(بہ تقریب تشریف آوری عالیجناب معلی القاب
مولانا مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ العالی)

از

(سید فیاض الحسن المتخلص بہ ' ناقص '

ایک بلبل ہوگیا تھا جا کے صحرا میں مکیں
گو وہ جنگل ہو گیا تھا اس سے فردوس بریں
ہمنوا اس کے مگر تھے اس سے سب بچھڑے ہوئے
گلستاں میں کھنچتے تھے اس کے سارے خوشہ چیں
شوق صحرا سے کشش احباب کی لڑتی رہی
کھینچ لائی آخرش بلدہ کی اس کو سرزمیں
کھل گئے آمد سے اس کی غنچے مرجھائے ہوئے
گو کھروں کے پھول ہیں البتہ کچھ چیں برجبیں
جب تلک آیا نہ تھا تو تھا بہت کچھ شور و غل
بنگیا پتھر کی مورت آتے ہی ہر نکتہ چیں

مرحبا اے رونق ملک دکن صد مرحبا
جامعہ خالی انگوٹھی اور تو اس کا نگیں
تیری آمد سے یہ آئی موج سوکھی نہر میں
نظم سے عاری تھا ورنہ تیرا ناقص کہترین

الوداعی سپاس نامے اور الوداعی نظمیں

پیش نامہ

جلسۂ الوداعی

عالی جناب مولوی عبد الحق صاحب سابق پرنسپل
عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(۱) (ا) تحریک صدارت : جناب مولوی سید محی الدین صاحب پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(ب) تائید : مولوی حافظ ساجد علی صاحب عباسی وکیل

(۲) الوداعی نظم : مرزا ولایت علی بیگ صاحب مدرس

(۳) (ا) سپاس نامہ (انگریزی) از اساتذہ و طلباء کلیہ: ڈاکٹر جان بھونسلے لکچرار انگریزی

(ب) سپاس نامہ (اُردو) از اساتذہ و طلباء کلیہ: مولوی سید احمد صاحب لکچرار دینیات

(س) سپاس نامہ (مرہٹی) از اساتذہ و طلباء کلیہ: پنڈت بھاسکر شاستری سنسکرت مرہٹی

(۴) (ا) کاسکٹ کاہدیہ مع تقریر: مسٹر شرف الحق متعلم سال دوم

(ب) گل پوشی: مسٹر عثمان خاں آفندی و مسٹر اصغر حسین متعلم سال دوم

(د) قصائد

(ا) مولوی سید احمد صاحب لکچرار دینیات عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(ب) مولوی عبد الخالق صاحب مدرس عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(س) مولوی عبد الرب صاحب مدرس عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(۶) تقریر: مسٹر شرف الحق نائب صدر اورنگ آباد کالج یونین

(۷) جواب سپاس نامہ: جناب مولوی عبد الحق صاحب سابق پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(۸) گانا

(۹) مہمانوں کا شکریہ: مولوی سید محی الدین صاحب پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد

(۱۰) عصرانہ

TO

MOULVI ABDUL HAQ SAHEB, B. A.,

F. Os. U., F. M. U,

Principal, Osmania College, Aurangabad;

and member of The court, Muslim, University, Aligarh.

Beloved Sir,

As we, the Staff and the Students of the College, Aurangabad, are assembled here to bid you good-bye on the relinquishment of your duties as the Principal of the College, our oppressed minds are crowded with the recollections of many a good turn we have received at your kind hands and it is, therefore, in the most inadequate terms, we are able to express our gratitude to you.

You have sacrificed your life to the cause of Education, and for over thirty years, you have laboured in various capacities, as a Head Master, District or Divisional Inspector of Schools, and the Principal of this College, for the advancement of Learning and Culture. You are the Pioneer of the great Educational Movement in the State

which has resulted in the establishment of the Osmania University, the success of which under your inspiration has made her a model for the other Indian Universities to copy.

You are the father and founder of this College and have been at the helm since her very inception. While your activities have been manifold, and your love for and interest in Urdu Literature have been over-whelming, your solicitude for the welfare of the College and her staff has ever been single - minded and unflagging.

It has been our rare fortune to possess in you a Principal, in whom profound scholarship, cultured love of learning, and cosmopolitan liberality of heart, nursed by the love of the Motherland intersect to a fearless independence of judgement not unmixed with the humour of an acute critic, and a broad - minded sympathy which knows no limitations of caste or creed. In the capacity of a Principal you have shown unbounded sympathy to the students, and to the individual members of the staff of whose worth you were an unerring connoisseur. Your personality has been such, that it was felt even in your abso-

ence, being everywhere present bringing our delinquencies home to us as evils done against a benevolent guide, whose trust in us was but the index of his goodness. While you held distinct convictions of your own, you were never dogmatic even in giving instructions as to the work you expected of your assistants and your respect for their views was such that it left a large margin for independent initiative which a wise father would allow for the self-determination of his trusty children. The College-Day Celeberations which drew many a distinguished visitor within the precincts of the College were the special feature of the College and were unequalled in plot and splendour by any such celeberations in India. Your solicitude for the physical welfare of the students and the staff has been such that the College activities on this line were punctuated in your regime by the most successful Tournaments, ever held in Aurangabad. The social life of the college which had its vent in the little social services rendered to the public by the Boy-Scout Troops, received your fostering care, at the various at-homes you were pleased to give, year after year, to the staff and the students, who

forgetting their differences on these occasions, basked in the sunshine of your presence in the glee of equality and fraternity, Sir, for these things, and many more, too many to be mentioned within the short space at our disposal, the College and the Staff owe you a deep debt of gratitude, that can never be repaid in our individual lives but can only be perpetuated by enshrining your memory in the traditions of the College by the successive generations of students as in the case of the famous Sir Syed Ahmed of the Aligarh College.

In conclusion, while we wish you a happy retired life distinguished for immortal literary works, we pray that the torches of learning and culture, lit by you, may be kept constantly burning in this institution under your inspiration and keep your dear name alive as one among the great patrons of Learning.

Let knowledge grow from more to more,
But more of reverence in us dwell
That mind and soul according well,
May make one music as before.

We beg to remain
Beloved Sir,
Your most dutiful & affectionate
Students & Members of the Staff
of the Osmania College, Aurangabad

Aurangabad [Deccan]
October, 1929.

نظم

بتقریب جلسۂ الوداعی

عالی جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے : فیلو مدراس یونیورسٹی لیلو عثمانیہ یونیورسٹی : ممبر مسلم یونیورسٹی کورٹ علی گڑھ : پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن

از

جناب مولوی سید احمد صاحب ندوی مددگار عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن

اے کہ تیری ذات کا انساں نوازی امتیاز
تیری میزان نظر میں ایک محمود و ایاز
جہل و نادانی کے حق میں تو وجود برق غیظ
فضل و دانش ائے تو جوہر حکمت نواز

مشغلہ ہے دلدہی تیرا تو دلداری ہنر
ہے صلاح و خیر انساں زندگی کا تیری راز
تیری ہر مخلص ادا میں بے کسوں کی روح ہے
قالب بے جاں کو تیرا دست شفقت جاں نواز
تیرے خلق و لطف عالمگیر سے ہے دور دور
نخوت و کبر و ریا و شان و شوکت حرص و آز
تیری علمی روح انساں کو پیام زندگی
تیرے ہر تار نفس میں موعظت، حکمت کا ساز
کالج و اسکول تیرے دم سے ہیں خورشید و ماہ
طالب علموں کو تو ہے مایۂ صد فخر و ناز
تیری پیدا کی ہوئی علمی فضا کے نور سے
ہر گیا ملک دکن کا بچہ بچہ سرفراز
تونے جو کچھہ کر دکھایا ایک اپنی ذات سے
اس میں مخفی ہے عروج قوم ہندوستاں کا راز
ہاں نہ بھولا ہے زمانہ اور نہ بھولے گا تری
ناخدائی توسنے بیڑے کی اے اردو نواز
ایک کہنہ میز بے لب کا قلم ٹوٹی دوات
یہ تھی پوفیسر جب ہوا تو بزم اردو کا مجاز

اس تہی دامن کو کس نے گوہر حکمت دئے
کس نے علمی مہلکت کا کر دیا اس کو مجاز
اس کی پیشانی پہ کس نے یہ لگاے چار چاند
ہاں بتاے کوئی کس کا تھا وہ دست حق نواز
کون تھا جس نے رہین منت دانش کیا
کس نے اس بھولی زباں کو یوں کیا جدت طراز
کس نے یوں الھڑ دلہن کو سکھائیں شوخیاں
کس نے اس کی ہر ادا میں بھردیے انداز و ناز
کس نے آزادی دلائی اس کو دست غیر سے
کیا نہ تھی اردو اسیر قید شیراز و حجاز
کس نے اپنی عمر کی ساری کمائی دی لٹا
عمر رفتہ نظر دی پیش زباں بے احتراز
کس نے اس اٹھتی جوانی کی قیامت خیز روح
اور پیری کا سکوں قرباں کیا بے امتیاز
ایک عبدالحق کی ہے یہ سعی منت بخش سب
اہل کالج کو جدائی جس کی ہے زہرہ گداز
مانگتے تجھ کو خدا سے منہ میں گر ہوتی زباں
ہوکے وقف مسجد و محراب و تسبیح و نماز
تجھ سے محسن کے لئے بس دو تمنائیں ہیں اور
عمر تیری عمر آدم سے ہو سو گونا دراز

اور جس کے سر بندھے سہرا ترا تیری جگہ

ناخدا بن کر چلائے تیرے کالج کا جہاز

گو زباں یاری نہیں کرتی ہے "سید" درد میں

چشم و دل کو ہم کریں کیسے اثر سے بے نیاز

ہم تو تڑپیں گے گھٹیں گے اور ڈھونڈھیں گے تجھے

ہے محیط جان و دل تیرا کہند ترک و تاز

فاتح اقلیم دل! تو ساتھ لیتا جا اسے

ورنہ جانے کیا کرے اس کی فغان جاں گداز

سپاس نامۂ الوداعی

بگرامی خدمت عالی جناب مولوی عبدالحق صاحب
بی اے ؛ فیلو مدراس یونیورسٹی ؛ فیلو عثمانیہ یونیورسٹی
ممبر مسلم یونیورسٹی کورٹ علی گڑھ ؛ پرنسپل عثمانیہ
کالج، اورنگ آباد۔ دکن

باغ کالج کے چمن آرا!

جس گلشن کی پہلی پود آپنے اپنے مبارک ہاتھوں سے چھ سال پہلے لگائی تھی، اور جسے اس درمیان میں آپ اپنے خون جگر سے سینچتے رہے، آج اس کے چمن بندوں، ہونہار نہروں، نوخاستہ پھولوں کا آخری الوداعی سلام قبول فرمائیے:

غنچہ چٹکا، اور آپہنچی خزاں فصل گل کی تھی فقط اتنی بساط

آپ ہماری اس چھوٹی سی پھلواری کی بہار تھے، آپ کے خلق کے روح پرور جھونکوں کی تاثیر سے، اور آپ کی

محبت و شفقت، رحم و انصاف کی دھوپ چھاؤں میں اس کے پودے پھوٹے، پروان چڑھے اور برگ و بار لائے؛ اور آج جب کہ آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں اور اس آفتاب علم کی سنہری کرنوں سے ہمارے باغ کے در و دیوار محروم ہونے والے ہیں، گلشن کالج کے چپہ چپہ سے الوداع کی آوازیں آ رہی ہیں —

تجھ کو سمجھے تھے نعیم جاوداں اے نعیم جاودانی الوداع!

علم نوازا! آپ کا وجود باوجود ہم سب کے حق میں مایۂ خیر و برکت تھا۔ آپ کی صحبتیں ہمارے خیر و فلاح کی ضامن تھیں؛ آپ کا علم و فضل ہماری تربیت کا گہوارہ تھا؛ آپ کی بلند اور پاک سیرت ہماری دلیل راہ تھی۔ آپ کی ہمہ گیر محبت سے ہم سب نے بغیر امتیاز نسل و مذہب، محبت کے آئین سیکھے۔ آپ کی بے لوث اور گہری علمی لگن نے ہم سب کے دلوں میں علم کی چیٹک پیدا کی، اور آپ کی اعلیٰ اور رشیوں کی جیسی سیرت نے اندر ہی اندر ہمارے خیالوں کو پالا، ہمیں انسان بننا سکھایا، اور انسانیت کی عزت کرنے کی تعلیم دی۔ محبت، علمیت، سیرت غرض کہ ہر حیثیت سے آپ کی ذات با برکات ہمارے حق میں

خدا کی مہربانی سے کم نہ تھی، سو وہ آج ہم سے رخصت ہو رہی ہے —

تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں

اے خدا کی مہربانی الوداع!

بزرگ متحرم! ہم سب کے لئے، ہمارے کالج کے لئے ہماری ریاست امدمدت کے لئے، جو کچھ آپ نے کیا، اس کے اظہار کی کوشش کرنا اپنے قصور بیان کا پھر کھلوانا ہے —

کوئی دل سوز ہو، تو کیجے بیان سر سری دل کی واردات نہیں

بیان اس چیز کا کیا جائے، جو چھپی ہوئی ہو، منظر عام پر لے لایا جائے، جو پردۂ خفا میں ہو، لیکن جس کی شہرت سے ہندوستان کا چپہ چپہ گونج رہا ہو، جس کی راجدھانی ہمارے کالج کے بچے بچے کے دل میں ہو، اس کا بیان کرنا نادانی ہے، پھول کا ثبوت خود اس کی مہک ہے۔ آفتاب کی دلیل خود آفتاب ہے —

دل میں ہزاروں باتیں ہیں، جو نکلنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ موقع کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انہیں پر ملا کہا جائے، لیکن ڈر ہے تو یہ کہ کہیں ان انسانوں کے چہیتے نے سے عناں صبر ہاتھ سے نہ جاتی رہے:

ڈھونڈتا ہے دل شوریدہ پرانے مطرب
درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

یاد ش بخیر! کالج کے وہ سالانہ ہنگامے، دور دور سے معزز مہمانوں کو آمد آمد، اساتذہ کی مصروفیت، طلبہ کا انہماک، مشاعرے، ڈرامے، علمی مجلسیں، کس کس کا بیان کیا جائے:

یک جراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

ان سب کی اصلی روح آپ کی ذات تھی، حاضر و غائب آپ کی شخصیت کا اثر ہر جگہ جاری و ساری تھا، اور اس نے جو خوشگوار نتائج دکھائے وہ دنیا کے سامنے ہیں۔ اساتذہ کے باہمی برادرانہ تعلقات، استادوں اور شاگردوں کا آپس کا میل جول، ایک طرف سے محبت دوسری طرف سے ادب، اور پھر سب کا ایک مرکز پر اجتماع، یعنی آپ کے دامن شفقت کے ساتھ وابستگی، عشق اور احترام کا سنجوگ، یہ تھی ہمارے کالج کی کامیابی کا راز اور یہ تھی ہماری زندگی جس پر دوسرے کالج رشک کرتے تھے، کاش گردش فلک یہی لیل و نہار سدا باقی رکھے —

جناب والا - اگرچہ آج جسمانی حیثیت سے آپ ہم سے جدا ہو رہے ہیں ' لیکن روحانی حیثیت سے آپ ہمیشہ ہم سب کے دلوں میں رہیں گے - زمانے کا ہاتھہ آپ کی محبت اور شخصیت کے اثرات کو ہمارے ذہنوں سے محو نہ کر سکیگا - یہ نقوش مدھم پڑنے کی بجائے روز بروز زیادہ ابھریں گے ' اجاگر ہوں گے ' ہمارے لئے مشعل ہدایت بنیں گے ' اس لئے کہ ان کی بنیاد صرف افسری و ماتحتی کے عارضی تعلقات پر نہ تھی ' بلکہ محبت کے محکم قانون پر ہے ' اور عشق کے آئین دفتری ضابطوں سے کہیں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں —

آخر میں ہماری دعا ہے کہ علم و ادب کی جس خدمت کے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کردی ہے ' خدا کرے کہ اس کو پورا کرنے کے لئے آپ برسوں تک زندہ و سلامت رہیں ! آپ کے روحانی انوار سے اسی طرح دنیا کے اندھیرے میں اجالا ہوتا رہے - خدا کرے کہ اردو باغ کا ہر شجر' شجر ہمیشہ بہار ہو اور آپ کی آبیاریوں سے ' اس کے ہر برگ و ریشہ میں آب زندگی یوں ہی پوری سرعت کے ساتھہ دوڑتا رہے - تن لاغر و جسم نزار کے باوجود آپ کی ہمت سدا جواں رہے ' آپ کے ارادوں کا شباب یوں ہی رہے اور ہم

سب حلقہ بگوش اسی طرح سے ارادت اور عقیدت کی نذریں آپ کے سامنے پیش کرتے رہیں ، آمین —

زمیں ہو دشمن جانی کہ ساتوں آسماں دشمن
حواس اتنے رہیں باقی نہ ہو پیر مغاں دشمن

نیاز کیشان قدیم
اساتذہ و طلبۂ عثمانیہ کالج و شاخ وسطانیہ

نظم

از

(جناب مولوی محمد عبدالخالق صاحب "گرامی" مددگار
عثمانیہ کالج اورنگ آباد)

آج ہیں جتنے یہاں خورد و کلاں سب کے چہروں سے ہے رنج وغم عیاں
سر بزانو ہے اگر ہر ایک پیر صورت تصویر ہے ہر اک جواں
بچے بچے پر ہے غم کا اک اثر کیا ہوئیں آج اُن کی وہ خوش فعلیاں
ضبط تھا جن میں وہ ہیں بے چین آج تھے جو بے چین اُن میں ہیں خاموشیاں
ہے غضب جذبات کا یہ انقلاب ہیں ستم فطرت کی یہ نیرنگیاں
خامشی ہے لب پہ دل بے چین ہے ہے الم آنکھوں سے ہر اک کی عیاں
چھائی ہے افسردگی چاروں طرف سب پہ اک پژمردگی ہے حکمراں
کونسی شے کا دلوں پر ہے اثر بات کیا ہے کیوں ہے یہ حالت عیاں
ہاں وہ اک ہستی ہے جسکو آج ہم کہنے آئے ہیں خدا حافظ یہاں

اخلاق

خوبیاں پائی ہیں جسنے جان نواز جسکے اخلاق نکو ہیں داستاں
جس کے اوصاف اور عادات حسن زیور انسانیت ہیں بے گماں

احسان

جس کے احسان نے کئے تسخیر دل ہیں منقش دلپہ جس کی نیکیاں
مذہب و ملت کی تنقیدات کا جس کے احسان میں نہیں اصلانشاں
مثل باران فیض جس کا عام ہے عام ہیں انسان پہ جس کی نیکیاں
زندگی کا جس کی منشا ہے یہی خیر با ید کردہا اہل جہاں
ہے یہی انسان کی انسانیت ہے یہی اُس کی شرافت کا نشاں
جس کے اخلاق و کرم یوں عام ہوں بھول سکتا ہے اُسے یہ دل کہاں

سلوک و رواداری

زینت اخلاق ہے جس کا سلوک ہے رواداری میں جو فخر زماں

عفو و حلم

حلم جس کا نازیش اخلاق ہے عفو جس کا خلق کی گویا ہے جاں
جس کی رنجش میں محبت ہے بھری جسکے غصے میں ہیں مہرافزائیاں

غیور و خود دار

جس کو قدرت سے ملی فطرت غیور ناز جسپر کرتی ہیں خود داریاں

دستگیری

بے بسوں کی قوت بازو ہے جو جسکی فطرت دستگیر بے کساں

حق گوئی

جسکو باطل سے رہی نفرت سدا مدح خواں حق کی رہی جسکی زباں

طبع رسا

جس کو قدرت سے ملی فکر رسا جس کو فطرت سے ملی طبع رواں

اک ذرا سے غور اور تدبیر سے جس نے سلجھائی ہیں اکثر گتھیاں
جس نے مشکل میں جہاں کچھ فکر کی ہو گئیں پیدا وہاں آسانیاں

فرض شناسی

خوب واقف ہے جو اپنے فرض سے جانتا ہے جس کو ہر اک این و آں
جس کو ہے احساس اس کا ہر گھڑی کیا ہے اک انسان کی ذمہ داریاں

ہمت و استقلال

ہے ارادوں میں جو اپنے مستقل جسکی پیری میں بھی ہمت ہے جواں
کام کا ہے ذوق جس کو سر بسر ہے جسے مصروفیت راحت رساں

وقت کی قدر

پاس ہے انفاس کا جسکو مدام جس کا اک لمحہ نہیں ہے رائیگاں

زندہ دلی

جس نے پایا وہ دل فطرت شناس زندگی کا ہے جو سچا رازداں
ہمنشینی جسکی اک اعجاز ہے آتی ہے جس سے دل مردہ میں جاں
ہیں سخن میں جسکے پنہاں حکمتیں گفتگو جس کی ظرافت کی ہے جاں
جس کی تقریریں ہیں ایسی دلپذیر جسکی تحریریں ہیں ایسی دلستاں
جن سے ہوتا ہے معارف کا ظہور جن میں ہوتا ہے حقائق کا بیاں

صائب الرائے

رائے ہے جس کی رزین ہر امر میں جس کی تنقیدوں کا پایہ ہے گراں

دور بینی

پائی ہے جس نے نظر وہ دوربین جسپہ خود حیراں ہیں دور اندیشیاں

تجربہ

جس کو حاصل ہے جہاں کا تجربہ جس نے دیکھے انقلابات زماں

معلومات

جس کے معلومات ہیں بیش ازقیاس جس کے محسوسات ہیں دور ازگماں

علمی ذوق

جس کے علمی ذوق اور تحقیق کا محترت ہے دل سے ہرپیر و جواں

علم دوستی

جو حقیقت میں ہے اک شیدائے علم جسکی ہستی ہے ہنر کی قدر داں
جس کے دل میں ذوق ہے تحقیق کا جس نے پائی ہے طبیعت نکتہ داں

طلبا پر شفقت

طالبان علم پہ جو ہے شفیق صاحبان فن پر جو ہے مہرباں
جس کی خواہش ہے کہ ہو تعلیم عام ہوں حصول علم میں آسانیاں
دور کی ہیں جس کے دست فیض نے طالبان علم کی مجبوریاں
ہے غرض اک درس جس کی زندگی جس میں روحانی مسرت ہے نہاں
مصدر انسانیت جس کا وجود راز ہستی جس سے ہوتا ہے عیاں
کون ہے وہ جس کے یہ اوصاف ہیں کون ہے وہ جس میں ہیں یہ خوبیاں
آں جناب مولوی عبد الحق است کز صفاتش کردہ شد چیزے بیاں
ہوں مکارم آپ کے کیونکر رقم ہوں محاسن آپ کے کیونکر بیاں

اورنگ آباد کی خدمات

آپ نے جو خدمتیں انجام دیں اورنگ آباد انکو بھولے گا کہاں

آپ کی کوشش سے پھر اس شہر کو مل گئی اپنی گزشتہ عز و شان

کالج کا قیام

آپ نے علمی ترقی دی اسے آپ کے دم سے بنا کالج یہاں
تشنگان علم پھر سیراب ہوں ہے یہاں پھر علم کا چشمہ رواں

دفتر انجمن اُردو

دفتر اُردو زبان اور مطبعہ آپ ہی کے دم سے قائم ہیں یہاں
آپ ہی کی ذات سے یہ شہر پھر بن گیا ہے مرکز اردو زبان
ہیں بہاریں آج اُردو باغ میں کیوں نہ ہوں جب آپ ساہو باغباں
آپ ہی کے دم سے پھر اس شہر سے نیر علم و ہنر ہے ضوفشاں
ہوتے ہیں شایع یہاں سے علم و فن بن گئی اردو یہاں علمی زباں
آپ نے کی ایسی خدمت شہر کی جیسے کرتا ہے وطن کا نوجواں
آپ کی تعریف میں یہ شہر کیا بلکہ ہے سارا دکن رطب اللساں

دکن کی خدمات

خدمتیں کیں جو دکن کی آپ نے سب پہ ظاہر ہیں عیاں راچہ بیاں
آپ کی تحقیق کی ممنوں ہے تہی دکن کی جو زبان پاستاں

کُلیۂ عثمانیہ

حیدرآباد آج ہے دارالعلوم علم سے حاصل ہے جس کو عز و شاں
اپنا ذاتی کلیہ رکھتا ہے جو ہے جہاں اردو ہی تعلیمی زباں
آپ ہی کی کوششوں کا ہے اثر آپ ہی کے فضل کا ہے اک نشاں

دارالترجمہ

دفتر تالیف و دارالترجمہ جن کی اہمیت ہے ہر اک پر عیاں
ملک کی دیتے ہیں جو کایا پلٹ جن سے قومیں ہوگئی ہیں کامراں
آپ کی امداد کے ممنوں ہیں آپ کی اصلاح کے ہیں مدح خواں
آج اس ملک دکن کے ما سوا آپ سے واقف ہے کل ہندوستان
ہیں اثر انداز ہر اک قلب پر آپ کے خدمات کی سرگرمیاں
معترف ہیں آپ کے افضال کی بیشتر یورپ کی عالم ہستیاں
تجھہ میں جب موجود ہوں ایسے سپوت فخر زیبا ہے تجھے ہندوستان

زبان کی خدمت

ہیں زبان پر آپ کے احسان جو انجمن کے کام سے وہ ہیں عیاں
انجمن کیونکر نہ ہو وہ کامیاب معتمد جس کا ہو ایسا کارداں
انجمن کی خدمتوں کا فیض ہے آج اُردو بن گئی علمی زبان
وہ زمانہ بھی نہیں ہے دور اب منتظر جس کے ہیں سب خورد و کلاں

لغت

ہم کو مل جائے گی اک علمی لغت مستند ہو جائے گی اپنی زبان
زندگی کا آپ کی یہ شاہکار لوح عالم پر ہے نقش جاوداں
آپ کی یہ خدمت ایسی ہے اہم ہے حکومت آج جس کی قدر داں
اس سے بڑھ کر اور مل سکتا ہے کیا آپ کی علمی فضیلت کا نشاں
مجلس اعلیٰ نے خود خواہش یہ کی آپ خدمت ختم کردیں جب یہاں
حیدرآباد آئیں اور لیں جائزہ منتظر ہے آپ کا کالج یہاں
تھے وحید الدین وحید عصر جو تھی وہ اک ہستی زباں کی رازداں

کی مسیحائی کچھ اس انداز سے ڈالدی جس نے زبان میں ایک جاں
ذات تھی مرحوم کی یکتائے فن جانشیں ان کا بھلا ملتا کہاں

آپ ھی کی سمت تھی ہر اک نظر آپ ھی کا نام تھا ورد زباں
مل گیا کالج کو اک نعم البدل آ گئی کالج میں جس سے ایک جان

آفریں باد اے نگاہ انتخاب حبذا اے دانش دانشوراں
ھے گرامی بس یہی اپنی دعا ہر جگہ ھوں آپ یوں ھی کامراں

ھو ترقی عمر میں اقبال میں شاد رکھے آپ کو رب جہاں

عبدالحق

از

جناب مولوی غلام طیب صاحب مددگار عثمانیہ کالج اورنگ، آباد

اے دل درد آشنا مشکل ہے تیرا کار و بار
دیکھنا جانے نہ پائے سوز فرقت کا وقار
اب زمانے میں نہیں رسم وفا ہے نام کو
اب نہیں جذب محبت کا ذرا بھی اعتبار
چھین لیتے ہیں نظر سے لذت کیف و سرور
سونپ دیتے ہیں خزاں کو لالہ و گل کی بہار
خوش نصیبی ہو رہی ہے اب نصیب دشمناں
چاہنے والوں کو رکھتا ہے زمانہ دل فگار
جس ضیائے علم سے کل تک چراغاں تھا یہاں
جگمگانے کو ہے اس سے آج غیروں کا دیار

اہل گلشن کے وہ ہنگامے ابھی نظروں میں ہیں
ہیں ابھی سینے میں سوز بزم فردا کے شرار

بلبل شوریدہ کے نالے فضاے دل میں ہیں
بادۂ دوشینہ کا باقی ہے آنکھوں میں خما ر

چھینٹے پر ہیں تلے اب پیکر کالج کا دل
جا رہی ہے اس نگر سے زندہ داری کی بہار

کون سا ایسا رنگیلا جا رہا ہے باغ سے
غنچہ وگل کی نگاہوں میں بھرا ہے انتشا ر

اب کنھیا سر زمین برج سے جانے کو ہے
ختم ہے ناز و نیاز و ادا نہ کا و قا ر

دل میں جو کچھہ ہے وہ کیسے برملا کہہ دے کوئی
مختصر یہ چھت رہا ہے ہم سے صدر ذی وقار

جا رہا ہے وہ کہ ہے جس کو زمانہ مانتا
سیہ و حالی و شبلی کی نمایاں یادگا ر

جس کی ہستی ہے مثال چشمۂ زیریں رواں
جابجا پیدا کئے ہیں جس نے صدھا آبشا ر

جس نے اردو کو عروس بزم عالم کر دیا
جس نے روشن کردئے اردو کے نقش پر غبار

غنچہ و گل میں جہاں باغباں کو دیکھئے
دیکھئے ہنستے ہوے پھولوں میں مالی کی بہار
عبد حق کو نورسوں میں دیکھئے اور دیکھئے
نوجوانان دکن کا یہ فیا علمی ابھار
یا الہی یہ دعا ہے طیب ناشاد کی
تا قیامت فیض علم و حکمتش را زندہ دار

OSMANIA UNIVERSITY
HYDERABAD-7
U 943